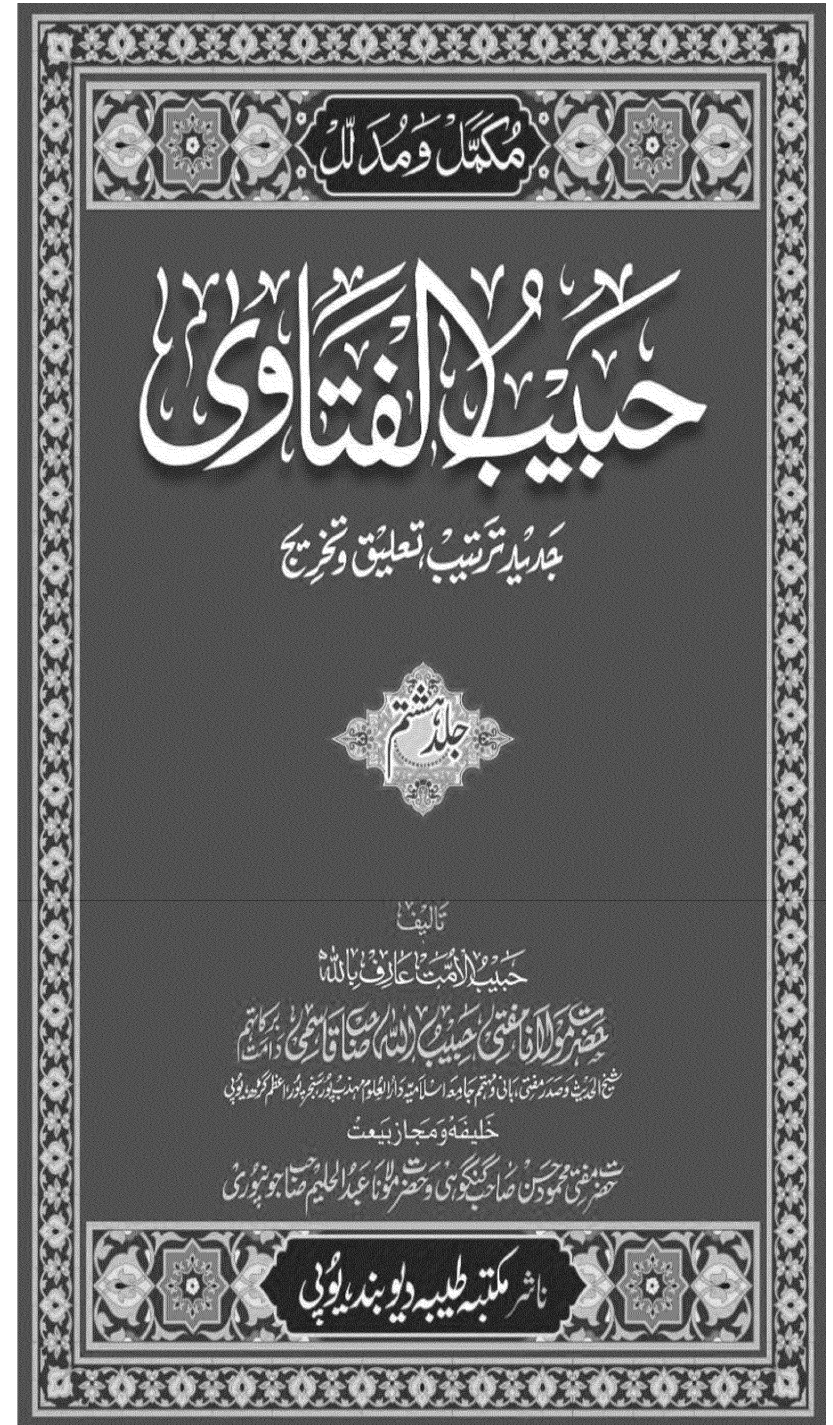


تفصیلات

نام کتاب	:	مکمل ومدلل حبیب الفتاویٰ (جلد ہشتم)
نام مصنف	:	حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
باہتمام	:	محمد طیب قاسمی مظفرنگری
کمپوزنگ	:	سیّد عبدالعلیم۔ 7017984091-6396271354
سن اشاعت	:	ستمبر 2020
ناشر	:	مکتبہ طیبہ دیوبند۔ 9412558230

ملنے کے پتے

مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴
موبائل 9412558230

نیر بکڈپو دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴
موبائل 9897352213

whatsapp: 9897352213

Mob: 9557571573

عرض ناشر

دیوبند جو علوم وفنون کا مرکز ہے یہاں کتب خانے ہمیشہ سے دینی کتابوں کی اشاعت میں پیش پیش رہے ہیں۔

انہیں کتب خانوں میں ایک **کتب خانہ مکتبہ طیبہ** بھی ہے جس نے آغاز سے نہایت اہم موضوعات تفسیر، حدیث فقہ وفتاویٰ پر منتخب کتابیں شائع کرنے کی تاریخ رقم کی ہے۔

مکتبہ طیبہ آج یہ اطلاع دیتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے حبیب الفتاویٰ مکمل مدلل جدید ترتیب تعلیق تخریج کے ساتھ شائع کرنے جا رہا ہے۔ یہ **مجموعہ فتاویٰ** اس شخصیت کے قلم سے ہے جو نہ صرف دار العلوم دیوبند کے فارغ، بلکہ حضرت مفتی اعظم مولانا محمود حسن گنگوہی صاحب کے خصوصی شاگرد ہیں بلکہ آپ کے معتمد خاص اور مجاز ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں، اس مجموعہ فتاویٰ سے ایک گرانقدر اضافہ ہوگا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ جب اس نے اس کی اشاعت کی توفیق دی ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ قبولیت سے نوازے، آمین۔

محمد طیب قاسمی مظفر نگری

21؍ اگست 2020

مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی ۲۴۷۵۵۴
9412558230 موبائل



DISTT. AZAMGARH Pin: 223227 (U.P.) INDIA
Mob: 0091 9450546400 Email: muftihabibullahqasmi@yahoo.com

محترم المقام مولانا محمد طیب صاحب قاسمی زید مجدہم!
مالک مکتبہ طیبہ دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوگا۔

مختلف زمانوں اور اوقات میں دین وشریعت کے مسائل ایک عرصہ سے مجھ سے معلوم کیے جاتے رہے اور ان کے جوابات بھی قرآن وحدیث اور بزرگ فقہاء کرام کی تحقیقات کی روشنی میں دئے جاتے رہے۔

میرے ایک دوست نے انھیں مرتب کیا اور پھر یہ فتاوے ”حبیب الفتاویٰ“ کے عنوان سے شائع بھی ہوئے اور بحمد اللہ مقبول بھی ہوئے۔

یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ اپنے کتب خانہ ”مکتبہ طیبہ دیوبند“ سے اس کو شائع کرنا چاہتے ہیں، میں آپ کا شکر گزار ہوں اور بصد خوشی آپ کو اس کی طباعت واشاعت اور اس کے مالکانہ حقوق کی اجازت دیتا ہوں بلکہ اس کی اشاعت کی مقبولیت اور محبوبیت کے لئے دعا گو بھی ہوں۔

والسلام

[illegible] محرم الحرام ۱۴۴۲ھ



من کبار فضلاء دار العلوم دیوبند الهند، شیخ الحدیث و صدر مفتی المؤسس ورئیس الجامعة الاسلامیة مهذب فور اعظم جراه اتر ابرادیش الهند، ورئیس دار الافتا والقضاء والبحوث الاسلامیه، و صاحب الفتاویٰ المسمی "بحبیب الفتاویٰ" والمقالات العلمیه والفقهیه والتصانیف المتداوله، وعضو المجمع الفقه الاسلامی الهند، وصاحب الدعوة والارشاد المجاز من کبار مشائخ الهندیه

اجمالی فہرست

2

✪✪✪

فہرست مضامین

✪✪✪✪

کتاب الطہارۃ

بیت الخلاء میں جانے مسنون طریقہ

سوال: بیت الخلاء میں جانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

باللہ التوفیق: بیت الخلاء میں جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے۔ سر ڈھاک کر بیت الخلاء میں داخل ہونا، داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنا، بائیں قدم سے داخل ہونا، بیٹھنے کے قریب ہونے کے وقت کپڑا کھولنا، استنجاء کرنے کے لئے نرم جگہ اختیار کرنا، ذکر لسانی سے احتراز کرنا، استنجاء کے بعد دائیں قدم سے نکلنا، اس کے بعد دعا پڑھنا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویستحب له عند الدخول فی الخلاء امه یقول "اللھم انی أعوذ بک من الجنت والجفائت" ویقدم رحله الیسری وعند الخروج یقدم الیمنی۔ (الفتاویٰ الھندیة ج: ۱، ص: ۱۰۶)

(۲) فإذا وصل الی الباب بیدأ بالتسمیة قبل الدعاء ھو الصحیح فیقول "بسم اللہ اللھم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث" ثم یدخل بالیسری و لا یکشف قبل انه بدنو إلی القعود۔۔۔ (حاشیة ابن عابدین ج: ۱ ص: ۲۱۵)۔

(۳) فصل: ویقدم رجله الیسری فی الدخول و الیمنی فی الخروج ویقول عند دخوله۔۔۔ فاذا خرج من الخلاء قال" غفرانک الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی۔ (المغنی ج: ۱، ص: ۲۱۴)۔

استنجاء پاک کرنے میں انگلیوں کو کس طرح استعمال کی جائے؟

سوال: استنجاء پاک کرنے کے لئے انگلیوں کی ہیئت کیا ہونے چاہئے، اور استنجاء پاک کرنے کی ابتداء کس طرف سے ہونے چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

مرد کا استنجاء پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ والی انگلی کو تھوڑا سا شروع میں اٹھائے اور استنجاء پاک کرے۔ اس کے بعد بنصر کو وسطی کے ساتھ ملا کر پوری پاکی حاصل کرے۔ البتہ عورت وسطی کے ساتھ بنصر کو ملا کر اٹھائے اور استنجائی پاک کرے۔

استنجاء پاک کرتے ہوئے مقعد کو تین بار ڈھیلا کرلے تا کہ پاکی اور ازالۂ نجاست میں کوئی کمی نہ رہ جائے بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو۔

نیز بائیں ہاتھ سے استنجاء پاک کرے دائیں سے نہیں۔ اور پہلے اگلے شرم گاہ کو پاک کرلے اس کے بعد پیچھے یعنی استنجاء پاک کرنے میں ابتداء آگے سے کرے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أنه یستنجی بیدة الیسری ویصعد إصبعه الوسطی علی سائر الأصابع قلیلا فی ابتداء الاستنجاء وبغسل موضعها ثم یصعد بنصره ویغسل موضعها۔ (الفتاویٰ الھندیة ج: ۱، ص: ۱۰۴)۔

(۲) ویغسل فرجه بالیسری ویبدأ بالقبل ثم الدبر ویرخی مقعده ثلاثا وبذلک کل مره ویبالغ فیه مالم یکن صائما۔ (ردالمحتار ج: ۱، ص: ۲۱۶)۔

(۳) وصفة الاستنجاء: أنه یستنجی بیده الیسری وبصعد اصبعه الوسطی علی سائر الاصابع۔ والمرأة تصعد بنصرها واوسطها جمعیا معا۔ (الفتاویٰ التاتارخنیة ج: ۱، ص: ۴۱۳)۔

(۴) ھکذا فی نور الایضاح۔ (ص: ۳۰)۔

گرم پانی سے وضو کرنے کا حکم

سوال: جو پانی سورج کی روشنی کی گرمی سے گرمی ہوا ہو اس سے وضوء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

جو پانی سورج کی روشنی کی گرمی سے گرم ہوا ہو اس سے وضوء کرنا مکروہ ہے چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور نیز اس سے برص کی بیماری کا خطرہ ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومن الأدب أنه لا يتوضأ بماء شمس لأنه بورث البرص۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص:۸۷)۔

وضو میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنے کا طریقہ

سوال: وضوء میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

وضوء میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ تشبیک یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرلے۔

پاؤں کی انگلیوں میں خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کے خنصر سے دائیں پاؤں کے خنصر سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کے خنصر میں ختم کرے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) تخليق الأصابع: وهو ادخال بعضه فی بعضه بماء منقاطر والأولى فی اليدين التشبيک۔۔۔ وفی الرجلين انه يخلل بخنصر يده اليسرى خنصر رجله اليمنى ويختم بخنصر رجله اليسرى۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۱، ص:۵۷)۔

ماءِ قلیل اور ماءِ کثیر کی تعریف

سوال: ماءِ قلیل اور کثیر میں فرق کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

ماءِ قلیل اور ماءِ کثیر میں فرق یہ ہے کہ اگر پانی کی ایک طرف سے تحریک کرے لیکن دوسرے طرف تحریک نہ ہو تو وہ ماءِ کثیر ہیں۔ اگر ایک طرف سے تحریک کرنے کی بعد دوسرے طرف تحریک ہو تو وہ ماءِ کثیر ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) انفقت الروايات عن ابی حنيفة وابی يوسف ومحمد۔ فی الكتب المشهورة أنه الخلوص بعتبر بالتحريک اذا حرک طرف منه وابد لم يتحرک الطرف الآخر فهو مما لا يخلص۔ وانه تحرک الطرف الآخر فهو مما يخلص۔ (الفتاویٰ التاتارخانيه ج:۱، ص:۴۹۹)۔

(۲) اختلف الفقهاء فی حد القله والكثرة۔ فالكثره عند أبی نيفة هو من الكثرة بحيث إذا حركه آدمی من أحد طرفية، لم بسر الحركة إلى الطرف الثانی منه۔ والقلة۔ واكانه دونه عشر فی عشرين اذرعة العام۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج:۱، ص:۴۷۹)۔

(۳) هكذا فی الفتاویٰ الهندية ج:۱، ص:۷۰)۔

ٹشو پیپر سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال: ٹشو پیپر سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً۔

ایسے کاغذ سے یعنی ٹشو پیپر سے استنجاء کرنا درست اور جائز ہے یعنی وہ جاذب کاعد جو صرف

استنجاء کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے لکھنے کی کام نہیں آتا ہے لہٰذا اس سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وکذا ورقه الکتابة لصقالقه وتقومه، وله احترام أیضاً لکونه آلة لکفایة العلم، وکذاعلله فی التاتارخانیة: بانه تعطیمة من أدب الدین۔۔۔ ومفاده الحرمة بالمکتوب مطلقا، واذا کانت العلة فی الأبیضه کونه آلة لکتابة کما ذکرناه بؤخذ منها عدم الکراهه فیما لا یصلح لها۔ واذا کانه قالعا للنجاسة غیر فقوم کما قدمناه۔ (فتاویٰ شامی ج: ۱، ص: ۶۰۸)۔

(۲) ولا یستنجی بکاعذ وانه کانت بیضاء کذا فی المضمرات (هکذا فی التاتارخانیة ج: ۱، ص: ۴۱۶)۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۱۰۵)۔

(۳) کاغذ چونکہ تحصیل علم کا ایک آلہ ہے خواہ وہ سفید ہو یا سیاہی ہو۔ اس لئے اس کا احترام کرنا لازم ہے۔۔۔ البتہ وہ جاذب کاغذ ہو جو صرف استنجاء کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے لکھنے کی کام میں نہیں آتا اور قیمتی بھی نہیں۔ اس لئے اسمیاء کرنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج: ۲، ص: ۱۰۸)۔

(۴) ہٰکذا فتاویٰ قاسمیہ ج: ۵، ص: ۸۴۔

(۵) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۷۹۔ ۳۔

(۶) فتاویٰ محمودیہ ج: ۵، ص: ۴۹۶۔

وضوء میں دوسرے سے مدد لینے کا حکم

سوال: وضوء کرتے ہوئے دوسرے سے مدد لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

وضوء کرتے ہوئے دوسرے سے مدد لینا مکروہ ہے، ہوا اور اگر عذر کی وجہ سے مدد لے تو مکروہ نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومن الأدب: انه یقوم بأمر الوضوء بنفسه: لحدیث عمر رضی اللہ عنه فإنه قال: انا لا نستعین علی وضوءنا۔

ومع هذا لو استعانه بغیره بعد انه لا یکونه الغاسل غیره بل یغسل بنفسه۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱، ص: ۴۴۷)۔

(۲) ومفاده انه الاستعانة مکروه حتی احیج إلی هذا الجواب۔۔۔ أنه لا کراهة أصلا اذا کانت بطیب قلب ومحبة من المعین من غیر تکلیف من المتوضی۔ (رد المحتار ج: ۱، ص: ۴۸۱)۔

(۳) ویکره الاستعانة بغیره لقول عمر رضی اللہ عنه رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یستقی ماءا لوضوءه۔۔۔ فقال یا عمر فإنی لا أرید انه یعننی علی صلاتی أحد۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۸۱)۔

جاری پانی میں نجاست گرنے کا ایک مسئلہ

سوال: جاری پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

جاری پانی میں نجاست گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والفتوی فی الماء الجاری: إنه لا یتنجس والم یتغر طعمه او لونه او ریحه من النجاسه لا لفتاوی الهدیه ج: ۱، ص: ۶۸۔

(۲) انه کانه قوی الجری یجوز الاغتسال فیه والوضوء فیه۔ ولا یتنجس بوقوع النجاسة فیه والم بر أثر النجاسة فیه من لونه او طعم اور ریح۔ (الفتاویٰ القاضی خان ج: ۱، ص: ۱۳)۔

(۳) اذا کان قوی الجرمی لا یحک بتنجه لو قوع النجاسة فیه ما لم یقغیر طعمه او لونه او ریحه۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱، ص: ۴۹۳)۔

وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنا

سوال: وضوء کے بعد تولیہ استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

وضوء کے بعد تولیہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس طرح نہ پوچھے کہ أعضاء وضوء پر پانی کا اثر باقی نہ رہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولم ار من ذکره غیره: وانما وقع الخلاف فی الکراهة ففی الخانیة ولا بأس به للمتوضی والمغتسل روی عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم أنه کان یفعله۔ (ردالمحتار ج: ۱، ص: ۴۷۹)۔

(۲) ولا بأس للمتوضی والمغتسل أن یمسح بالمندیل: ومنهم من ذکره ذلک۔ ومنهم کره للمتوضی دون المغتسل والصحیح ماقلنا۔ الا انه ینبغی ان لا یبالغ ولا یقتضی فیبقی أثر الوضوء علی اعضاءه۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱، ص: ۴۴۹)۔

(۳) بنو ضأه فیمسح وجهه بالثوب قال لا بأس قال به محمد۔ وبه نأخذ۔ ولا نرمی بذلک بأسا وهو قول أبی حنیفة وفی الخانیة لا بأس للمتوضی والمغتسل ان یمسح بالمندیل۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۷۹)۔

ایک انگلی سے استنجاء پاک کرنے کا حکم

سوال: صرف ایک انگلی سے استنجاء پاک کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز انگلی کے کنارہ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

صرف ایک انگلی سے استنجاء پاک کرنا ممنوع ہے اور انگلی کے کنارہ سے بھی استنجاء کرنا ممنوع ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولا یقنصر علی اصبع واحدة۔ ولا یستنجی بظهور الأصابع اور برؤوسها لانه بورث الباسور۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۴۷)۔

(۲) ویستنجی بعرض الأصابع لا برؤوسها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۱۰۵)۔

(۳) ویستنجی بعرصه الاصابع لا برؤوسها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۱۰۵)۔

(۴) ویستنجی باصبع أو إصبعین او ثلاثه أصابع یبطون الأصابع لا برؤوسها۔ (الفتاویٰ قاضی خان ج: ۱، ص: ۳۶)۔

بیت الخلاء میں جانے کا ایک ادب

سوال: ننگے سر بیت الخلاء میں جانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

ننگے سر بیت الخلاء میں جانا ادب کے خلاف ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویدخل مستور الرأس۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۰۶)۔

(۲) ومستور الرأس استحبابا۔۔۔ لأنه مستقدر يحضره الشيطان۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ۵۱)۔

بایاں ہاتھ سے استنجاء کرنا کب درست ہے؟

سوال: اگر کسی شخص کا بایاں ہاتھ نہ ہو تو داہنے ہاتھ سے استنجاء کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر کسی شخص کا بایاں ہاتھ نہ ہو تو داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویکره الاستنجاء یالید الیمینی إلا اذا لم یکن له یسار۔ (الفتاویٰ التاتارخانيه ج: ۱، ص: ۱۱۴)۔

(۲) ویکره الاستنجاء بالید الیمنی إلا من عذر بالیسری۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ۵۰)۔

بیت الخلاء میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: بیت الخلاء میں اگر کسی چھینک آجائے تو الحمد للہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

بیت الخلاء میں اگر کسی کو چھینک آجائے تو الحمد للہ زبان سے نہ کہیں بلکہ دل سے کہہ سکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فلا یحمد اذا عطس ولا یشمت عاطساً۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى

ص: ۵۵)۔

(۲) فإذا عطس حمد الله تعالىٰ بقلبه۔ (رد المحتار ج: ۱، ص: ۲۱۶)۔

(۳) فإذا عطس بحمد الله تعالىٰ بقلبه لا یحرک لسانه۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۰۶)۔

اگر کنویں میں کتا گر جائے تو پاک کرنے کا طریقہ؟

سوال: اگر کنویں میں کتا گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر کنویں میں کتا گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے تو اگر اس کا منہ پانی کے لگ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی نکالنا پڑے گا، اور اگر منہ نہ لگے تو صاحبین کے نزدیک ناپاک ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک ناپاک نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وان وقع نحو شاة وأخرج حيا فالصحيح أنه إذا لم يكن نجس العين ولا فى بدنه نجاسة ولم يدخل فاه فى الماء يتنجس۔۔۔ وان أدخل فاه فيه فمعتبر بسوره فإن كا سوره طاهرا فالماء طاهر، وان كان نجساً فنجس فينزح كله۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۷)۔

(۲) الكلب اذا وقع فى الماء وأخرج حيا ان أصاب فمه الماءئ فهو من جملة القسم الأول يجب نزح جميع الماء، وان لم يضب فمه الماء فعلى قولهما يجب نزح جميع الماء۔۔۔ وعند أبى حنيفه لا بأس بذلک۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱، ص: ۳۱۸)۔

(۳) وقع فيها كلب او خنزير مات او لم يمت اصاب الماء فم الواقع اولم يصب۔ أفسده۔ (الفتاویٰ القاضى خان ج: ۱، ص: ۱۷)۔

(۴) در المختار ھکذا فی در المختار ج: ۱، ص: ۳۹۔
(۵) فتاویٰ علماء ھند ج: ۳، ص: ۱۹۳۔
(۶) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۴۰۷۔

اگر کتا کنویں میں مرجائے تو کیا کرنا ہوگا

سوال: اور کتا کنویں میں مرجائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اور کتا کنویں میں مرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا اور پورا پانی نکالا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وان مات فیها شاة أو کلب أو آدمی أو انتفخ حیوان او نفخ بنزح جمیع ما فیها صغر الحیوان أو کبر۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۱۷)۔
(۲) وینزح بموت کلب قید بموته فیها لأنه غیر نجس الغیر علی الصحیح فاذا لم یمت وخرج حیا ولم یصل فمه الماء لا ینجس۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۳۶)۔
(۳) وکذلک لو کان الواقع فیه کلب او شاة انتفخ او لم ینتفخ وجب نزح الماء کله۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱، ص: ۳۱۸)۔
(۴) در المختار ج: ۱، ص: ۳۹۔
(۵) فتاویٰ علماء ھند ج: ۳، ص: ۱۹۱۔
(۶) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۴۱۴۔

ناک یا منہ میں کس ہاتھ سے پانی ڈالا جائے؟

سوال: داہنے ہاتھ سے ناک منہ میں پانی ڈالنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

داہنے ہاتھ سے ناک منہ میں پانی ڈالنا سنت ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) اعلم ان المضمضة والاسننشان سنتان مشتملان علی سبع سنن۔ الترتیب والتثلیث۔ والتجرید وفعلهما بالیمین والمبالغة منهما والمج والاسننثار۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ۷۰)۔
(۲) ومنها المضمضة بالیمین والاستنشان بالیمین وقال بعضهم المضمضة بالیمین والاستنشاق بالیسار لأن الفم مطهرة والأنف مقدره والیمین للإطهار والیسار للاقذا۔ (بدائع الصنائع ج: ۱، ص: ۱۱۱ ص: ۱۱۴)۔
(۳) عبارة الحنفیة فی المضمضة والاستنشان وهما سنتان مؤکدتان مشتملتان علی سنن خمس منها الفعل بالیمین۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج: ۱، ص: ۳۹۷)۔

مسواک کی مقدار

سوال: مسواک کتنی لمبی اور کس لکڑی کی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

مسواک ایک بالشت ہونی چاہئے اور خنصر کے برابر ہونی چاہئے، پیلو کی لکڑی ہے اور نہ نیم کی مسواک کرے یعنی لکڑی کڑوی ہو تو بہتر ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وکونه لینا مسقوبا بلاعقد فی غلظ الخنصر وطول شبر۔ (الفتاویٰ الشامی

ج: ا، ص: ۴۳۴۔ زکریا)۔

(۲) وينبغى ان يكون السواک من أشجار مرة ولكن رطبا فى غلظ الخنصر وطول شبر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج: ا، ص: ۱۴۴۱)۔

(۳) وينبغى ان يكون فى غلظ الأصبع طول شبر مسقوبا قليل العقد من الإدال۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ا، ص: ۴۷)۔

وضو کے پانی کا برتن کہاں رکھا جائے؟

سوال: وضوء کے پانی کا برتن اگر چھوٹا ہو تو اس کو وضوء کرنے والا اپنے دائیں رکھے یا بائیں؟

الجواب: واللّٰہ الموافق بالصواب

وضوء کے برتن اگر چھوٹا ہو تو اس کو وضوء کرنے والا اپنے بائیں رکھے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) إذا كان الإناء صغيراً يمكن رفعه لا يدخل يده فيه بل يرفعه بشماله ويصب على كفه اليمنى۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ا، ص: ۲۶)۔

(۲) إنه كان الإناء صغيراً أن يأخذه بشماله۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ا، ص: ۵۶)۔ زکریا۔

(۳) إنه كان صغيراً يمكن رفعه لا يدخل فيه بل يرفعه بشماله ويصب على كفه اليمنى ويغسلها ثلاثاً۔ (الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ا، ص: ۲۰۱)۔ زکزیا۔

اعضاء وضو دھوتے ہوئے جو دعائیں پڑھیں جاتی ہیں

سوال: اعضاء وضوء دھوتے ہوئے کونسی دعاء پڑھنی چاہئے؟

الجواب: واللّٰہ الموفق بالصواب

اعضاء وضوء دھوتے ہوئے الگ الگ دعا ہے جیسے۔

(۱) ہاتھ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھنا چاہئے۔

اللّٰهم احفظ يدى من معاصيک كلها۔

(۲) کلی کرنے کے وقت۔

اللهم اعنى على تلاوة القرآن و ذكرک و شكرک و حسن عبادتک۔

(۳) ناک میں پانی دینے کے وقت۔

بسم الله اللهم ارحنى رائحة الجنة ألخ۔

(۴) منہ دھونے کے وقت۔

اللّٰهم بيض وجهى يوم بيض وجوه۔ الخ۔

(۵) داہنا ہاتھ دھونے کے وقت:

اللهم اعطنى كتابى بيمينى و حاسبنى حساباً يسيراً۔

(۶) بایاں ہاتھ دھونے کے وقت:

اللهم لا تعطنى كتابى بشمالى و لا فى ورائى۔

(۷) سر کا مسح کرنے کے وقت۔

اللهم اظلنى تحت ظل عرشک يوم لا ظل إلا ظل عرشک۔

(۸) دونوں پاں دھونے کے وقت۔

اللهم ثبت قدمى على الصراط يوم تذول الأقدام۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ا، ص: ۷۶۔

(۲) الفقه الإسلامى و أدلته ج: ا، ص: ۴۰۹۔

مستحب وضوء کی ایک قسم

سوال: غیبت کرنے کے بعد اور جھوٹ بولنے کے بعد وضوء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: واللّٰہ الموفق بالصواب۔

غیبت کرنے کے بعد اور جھوٹ بولنے کے بعد وضوء کرنا مستحب ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) القسم الثالث: وضوء مندوب للنوم على طهارة۔ إلى وبعد كلام غيبة وكذب ونميمة وبعد كل خطيئة وإنشاد شعر۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱، ص: ۸۳)۔ دار الكتاب۔

(۲) فصل فى صفة الوضوء منها الوضوء للنوم۔ إلى۔ الوضوء بعد الغيبة وبعد انشاد الشعر۔ (فتاوىٰ قاضى خان ج: ۱، ص: ۳۶)۔

(۳) كذا فى نور الإيضاح ج: ۱، ص: ۳۲۔

(۴) كذا فى الفتاوىٰ الهندية ج: ۱، ص: ۶۰۔ (زكريا)

دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے کیا وضوء کرنا شرط ہے

سوال: دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء کرنا مستحب ہے۔ البتہ تفسیر کی کتاب کو تو بلا وضوء ہاتھ نہ لگائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) القسم الثالث: وضوء مندوب فى أحوال كثيرة كمس الكتب الشرعية ورخص مسها للمحدث إلا التفسير كذا فى الدرر۔ (حاشية الطحطاوى على

المراقى ج: ۱، ص: ۸۳)۔

(۲) ويكره له مس كتب التفسير۔ لم يروا به۔ بأساً۔ (فتاوىٰ تاتارخانية ج: ۱، ص: ۱۷۲۔ زكريا)۔

(۳) وقد جوزنا أصحابنا مس كتب التفسير للمحدث ولم يفصلوا بين كون الأكثر تفسيراً أو قرآناً ولو قبل به اعتبار الغالب لكان مسنا۔ (شامى ج: ۱، ص: ۳۵۳، أشرفية)۔

(۴) وكذا فى غنية المستملى۔ (ج: ۱، ص: ۵۷)۔

بیہوشی طاری ہونے پر وضوء ٹوٹ جانے کا حکم

سوال: ایک شخص باوضوء تھا اس کے بعد بیہوش ہوگیا تو ہوش میں آنے کے بعد نماز کے لئے وضوء کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب۔

اگر باوضوء آدمی بیہوش ہو جائے گا تو ہوش آنے کے بعد نماز کے لئے پھر وضوء کرنا ضروری ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وينقضه اغماء وهو مرض يذيل القوى ويسير العقل۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱، ص: ۹۱)۔

(۲) ينقض الوضوء قليلة وكثيرة۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱، ص: ۶۳۔ زكريا)۔

(۳) والاغماء ينقض الوضوء وإن قل وفى الخانية فى الأحوال كلها۔ (الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ۱، ص: ۲۵۸۔ زكريا۔

(۴) وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان۔ (زكريا)۔

کیا سجدے کی حالت میں نیند آنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے

سوال: سجدہ کی حالت میں اگر کسی کو نیند آجائے تو اس کا وضوء ٹوٹے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سجدہ کی حالت میں اگر کسی مصلی کو نیند آجائے تو اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ سجدہ سنت کے مطابق ہے۔ اور اگر سجدہ سنت کی مطابق نہ ہو تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ومنها نوم مصل ولو نام راكعاً أو ساجداً إذا كان على جهة أي صفة السنة لقوله صلى الله عليه وسلم لا يجب الوضوء على من نام جالساً أو قائماً أو ساجداً حتى يضع جنبه فإذا اضطجع استرخت مفاصله وإن لم يكن على صفة السجود والركوع المسنون انتقض وضوءه۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱، ص: ۹۴)۔

(۲) ظاهر الرواية أن النوم فى الصلاة قائماً أو قاعداً أو ساجداً لا يكون حدثاً سواء عليه النوم أو تعمده۔ (شامي ج: ۱، ص: ۲۹۶ أشرفيه)۔

(۳) وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان ج: ۱ ص: ۴۳۔ (زكريا)۔

(۴) وكذا فى الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۶۲۔ (زكريا)۔

ودی کا حکم

سوال: ودی کس کو کہتے ہیں اور اس کے نکلنے کے بعد غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ودی اس گاڑھے پانی کو کہتے ہیں جو پیشاب کے بعد یا پہلے آتا ہے ودی نکلنے کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) أما الودى فهو غليظ من البول يتعقب الرقيق منه خروجاً قال وليس فى المذى والودى غسل۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج: ۱ ص: ۵۱۴)۔

(۲) أن تيقن أنه ودى لا يجب الغسل۔ (الفتاوىٰ التاتارخانيه ج: ۱ ص: ۲۸۴) زكريا۔

(۳) وإن رأى بللاً إلا أنه لم يتذكر الاحتلام فإن تيقن أنه ودى لا يجب الغسل۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۶۶۔ زكريا)۔

(۴) وكذا فى الهداية ج: ۱ ص: ۳۳۔

(۵) وكذا فى حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱ ص: ۱۰۱۔

فرض غسل میں دلک کا حکم

سوال: غسل فرض میں دلک یعنی بدن کو رگڑنا فرض ہے یا واجب؟ تحقیق کے ساتھ لکھیں۔

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

غسل فرض میں دلک یعنی بدن کو رگڑنا فرض بھی نہیں واجب بھی نہیں ہے۔ بلکہ سنت ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ويسن أنه بدلك كل اعضاء جسده فى المدة الأولى ليعم الماء بدنه فى المرتين الآخرتين وليسن الدلك بواجب فى الغسل۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱ ص: ۱۰۵)۔

(۲) قال فى الأصل والدلك فى الاغتسال ليس بشرط عندنا خلافاً لمالك وعن أبى يوسف فى الأمالى يدلك فى اليوم البارد۔ (الفتاوىٰ التاتارخانيه ج: ۱ ص: ۲۷۳۔ زكريا)۔

(۳) سنن الغسل: النية والتسمية إلى۔۔۔ ويدلك بدنه بيده۔ (الفقه الاسلامى

وأدلته ج: ۱ ص: ۵۲۹)۔

(۴) وکذافی الفتاویٰ الھندیة ج: ۱ ص: ۶۵۔ (زکریا)۔

(۵) وکذافی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۴۳۔ (زکریا)۔

احرام کا کپڑا پہننے سے پہلے غسل کرنے کا حکم

سوال: حاجی کے لئے احرام کا کپڑا پہننے سے پہلے غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حاجی کے لئے احرام کا کپڑا پہننے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وأربعة سنة هی: غسل یوم الجمعة ویوم العیدین ویوم العرفة وعند الإحرام وواحد مستحب وهو غسل الکافر وإذا أسلم ولم یکن جنباً۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۲۷۔ زکریا)۔

(۲) ویسن للإحرام للحج أو العمرة لفعله صلی الله علیه وسلم وهو للتنظیق لا للتطهیر فتغتسل المرأة ولو کان بها حیض أو نفاس۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ج: ۱ ص: ۱۰۷)۔

(۳) وکذافی الشامی ج: ۱ ص: ۳۳۹۔ (أشرفیه)

(۴) وکذافی الفقه الاسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۵۴۲۔

(۵) وکذافی الدر المختار ج: ۱ ص: ۳۲۔ (أشرفیة)۔

سفر سے واپسی کے بعد غسل کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص لمبے سفر سے واپس آئے تو غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کوئی شخص لمبے سفر سے واپس آئے تو غسل کرنا مستحب ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویندب الاغتسال فی ستة عشر شیئًا۔ إلی۔ ویندب للنائب من ذنب وو للقام من سفر۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱، ص: ۱۰۹)۔

(۲) وکذافی الشامی ج: ۱ ص: ۳۴۲۔ (أشرفیه)۔

(۳) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۲۲۔ (سعید)۔

سونے یا چاندی پر تیمم کرنے کا حکم

سوال: سونے چاندی کے زیورات پر تیمم درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سونے چاندی کے زیورات پر تیمم کرنا درست نہیں ہے؟

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) لا یصح التیمم بنحو الحطب والفضة والذهب والنحاس و الحدید وضابطه أن کل شیئ یصیر رماداً او ینطبع بالإحراق لا یجوز به التیمم۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۱۹)۔

(۲) یتیمم بطاهر من جنس الأرض۔ إلی۔ وعین الذهب والفضه وبحوها فلیس من جنس الأرض۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۹۷۔ زکریا)۔

(۳) ولا یجوز بما لیس من جنس الأرض نحو الذهب والفضة والرصاص والذجاجة والحنطة وغیرها۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱ ص: ۳۷۴۔ زکریا)۔

(۴) وکذافی الشامی ج: ۱ ص: ۴۵۱۔ (أشرفیه)۔

کیا تیمم میں انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے؟

سوال: تیمم میں انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

تیمم میں انگلیوں کا خلال کرنا واجب ہے اگر انگلیوں میں غبار داخل نہ ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وعلى ظاهر الرواية يلزم تخليل الأصائع ونذع الحاتم ولو ترک لم يجز وعلى رواية الحسن لا يلزم ويجوز۔ (البدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۶۸، زکریا)

(۲) ويجب تخليل الأصابع إن لم يدخل بينها غبار كذا فى التبين۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۹۷ زکریا)۔

(۳) فإنه روى عنه إذا لم يدخل الغبار بين أصابعه فعليه أن تخلل ما بين أصابعه۔

(الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۶۳ زکریا)۔

(۴) وكذافى حاشية الطحطاوى ج: ۱ ص: ۱۲۰۔

(۵) وكذافى الشامى ج: ۱ ص: ۴۵۱۔ (اشرفية)۔

موزے پر مسح کرنے کی ایک شرط

سوال: بلا وضوء پہنے ہوئے موزہ پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بلا وضوء پہنے ہوئے موزہ پر مسح درست نہیں ہے، ہاں اگر پیر دھونے کے بعد موزہ پہنے پھر وضوء مکمل کرے تو اس موزہ پر مسح کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ويشترط لجواز المسح على الخفين سبعة شرائط الأول بسهما بعد

غسل الرجلين ولو حكماً لجبيرة بالرجلين أو باحداهما مسحها وليس الخف يمسح خفه لأن مسح الجبيرة كالغسل ولو كان اللبس فيه كمال الوضوء اذا تمه قبل حصول ناقض للوضوء۔ (حاشية الطحطاوى ج: ۱ ص: ۱۲۹)۔

(۲) شرط جواز المسح على الخفۂ أن يكون الحدث بعد اللبس طارئاً على طهارة كاملة حتى لو غسل رجليه أولاً ولبس الخفين ثم أحدث لم يجز المسح۔

(الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۴۱۲۔ زکریا)۔

وكذافى الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۷۔ (زکریا)۔

وكذافى بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۸۲۔ (زکریا)۔

وكذافى الشامى ج: ۱ ص: ۴۸۸۔ (أشرفية)۔

لکڑی کے بنے ہوئے موزے پر مسح کرنے کا حکم

سوال: لکڑی کے بنے ہوئے موزہ پر مسح کرسکتے ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

لکڑی کے بنے ہوئے موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولا يجوز المسح على الخف المتخذ من الحديد والدجاج و الخشب۔

(الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۶۔ زکریا)

(۲) فلا يجوز المسح على خف صنع من زجاج أو خشب أو حديد۔ (حاشية الطحطاوى ج: ۱ ص: ۱۳۰)۔

(۳) والثالث كونه مما يمكن متابعة المشى المعتاد فيه فرسخاً فأكثر، فلم يجز متخذ من زجاج وخشب أوحديد۔ (الدر المختار مع الشامى ج: ۱ ص: ۴۹۱ (أشرفية)۔

کیا بغیر پاکی کے بندھی ہوئی پٹی پر مسح کرنا درست ہے

سوال: بغیر پاکی کے بندھی پٹی پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بغیر پاکی کے بندھی پٹی پر مسح کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) یجوز مسحها ولو شدت بلا وضوء۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۱۷ أشرفية)۔

(۲) ومنها أنه لا تشترط الطهارة لوضع الجبائر حتى لو وضعها وهو محدث ثم توضأ جاز له أن يمسح عليها۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۹۳۔ زكريا)۔

(۳) ولا يتوقف هذا المسح بوقت ولا فرق بين أن يشده على الوضوء أو على غير الوضوء۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۹۔ زكريا)۔

(۴) وكذا في المحيط البرهاني ص: ۳۶۱۔

(۵) وكذا في حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۳۶۔ (دار الكتاب)۔

کب غسل اور مسح دونوں کو ایک ہی عضو میں جمع کیا جاسکتا ہے

سوال: ثنائی اعضاء میں سے ایک کا مسح اور دوسرے کا غسل درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ثنائی اعضاء میں سے ایک کا مسح اور دوسرے کا غسل درست ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ويجمع مسح جبيرة رجل معه أي مع غسل الأخرى لا مسح خفها۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۱۶۔ أشرفية)۔

(۲) ويجوز مسح جبيرة إحدى الرجلين مع غسل الأخرى لكونه أصلاً۔

(حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۳۶۔ دار الكتاب)۔

(۳) المسح على الجبيرة وخرقة القدحة كالغسل لما تحتها وليس ببدل حتى لو كانت الجبيرة على إحدى رجليه مسح عليها وغسل الأخرى۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۹۔ زكريا)۔

(۴) وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية۔ ج: ۱ ص: ۴۲۱۔ (زكريا)۔

نماز عیدین میں تیمم کرنے کا حکم

سوال: عیدین کی نماز کے دوران اگر کسی کا وضوء ٹوٹ جائے تو تیمم کر کے باقی نماز پوری کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عیدین کی نماز کے دوران اگر کسی کا وضوء ٹوٹ جائے اگر نماز سے فراغ امام کا خوف ہو تو تیمم کر کے باقی نماز پوری کرسکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال في شرح التنوير جاز لخوف فوت جنازة أي كل تكبيراتها أو فوت عيد بفراغ إمام أو زوال شمس۔ إلى۔ لأن المناط خوف الفوت لا إلى بدل فجاز لخوف وسنن روايت۔ (الدر المختار مع الشامي ج: ۱ ص: ۴۲۴۔ اشرفيه)۔

(۲) إذا سبقه الحدث بعد الشروع في الصلاة فإن كان يرجو إدراك الإمام قبل الفراغ لا يباح له التيمم بالإجماع وإن كان لا يرجو إدراك الإمام قبل الفراغ تيمم ويبني۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۸۵۔ زكريا۔

(۳) إذا سبقه الحدث بعد الشروع في الصلاة فإن كان يرجو إدراك الإمام قبل الفراغ لا يباح له التيمم بالإجماع وإن كان لا يرجو إدراك الإمام قبل الفراغ تيمم ويبني۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۸۵۔ زكريا)۔

(۴) وکذا فی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۷۸۔ (زکریا)۔

(۵) وکذا فی حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۱۸۔ (دار الکتاب)۔

مسح اور غسل کو جمع کرنے کی ایک صورت

سوال: اگر اعضاء وضوء کا اکثر حصہ زخمی ہو تو مسح و غسل کو جمع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر اعضاء وضوء کا اکثر حصہ زخمی ہو تو مسح کرے غسل نہ کرے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال فی شرح التنویر تیمم لو کان أکثره أي أکثر أعضاء الوضوء عدداً وفی الغسل مساحة مجروحاً أو به یجری اعتباراً للأکثر وبعکسه بغسل الصحیح ویمسح الجرایح۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۱۳۷۔ اشرفیه۔

(۲) القربة التی تبقی من الیدین بین عقدتی العصابة ویکتفی بالمسح علی أکثر الجیدة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۸۹۔ زکریا۔

(۳) یجوز المسح علی الخرقة الزائدة ویقوم المسح علیها مقام غسل ما تحتها۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۹۰۔ زکریا)۔

حائضہ عورت کے لئے اعتکاف کرنے کا حکم

سوال: حائضہ عورت اعتکاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حائضہ عورت اعتکاف نہیں کر سکتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والحیض لا یحصی من الأحکام کالطهارة والصلاة والقراءة والصوم

والاعتکاف والحج والبلوغ۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۲۱۔ أشرفیه)۔

(۲) وأما شروطه: منها الأسلام والعقل والطهارة عن الجنازة والحیض والنفاس۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۲۷۳۔ زکریا)۔

(۳) فالحیض من غوامض الأبواب وأعظم المهمات لأحکم کثیرة کالطلاق العتاق والاستبراء والعدة والنسب وحل الوطء والصلاة والصوم وقران القران ومسه والاعتکاف ودخول المسجد۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۳۸۔ دار الکتاب)۔

(۴) وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۶۲۴۔

حیض، استحاضہ نفاس کی تعریف

سوال: حیض استحاضہ نفاس کی تفریق لکھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) الحیض: لغة هو السیلان یقال حاض الوادی إذا سال۔ والحیض شرعاً۔ هو الدم الخارج فی حال الصحة من أقصی رحم المرأة من غیر ولادة ولا مرض فی أمر معین ولو نه عادة السواد وهو محتلم۔

(۲) والنفاس: عند الحنفیة والشافعیة: هو الدم الخارج عقب الولادة وعند الحنابلة۔ الدم الخارج بسبب الولادة۔

(۳) والاستحاضة: هی سیلان الدم فی غیر أو قاته المعتادة غیر الحیض والنفاس من مرض وفساد من عرق أدنی الرحم۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۶۱۰)۔

تیمم کی ایک صورت

سوال: وضوء کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں کتنی دور تک پانی تلاش کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

وضوء کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں ایک میل دور تک پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) ثم العدم علی نوعین۔ عدم من حیث الصورۃ والمعنی وعدم من حیث المعنی لامن حیث الصورۃ۔ فالأول أن یکون بعیداً عنه۔ قال فی البدائع ولم یذکر حد البعد فی ظاهر الروایة۔ فعن محمد التقدیر بالمیل۔ فإن تحقق میل جاز له التیمم وإن تحقق کونه أقل أو ظن أنه میل أو أقل لا یجوز قال فی الهدایة والمیل هو المختار فی المقدار۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۳۹۔ سعید)۔

(۲) وکذافی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۶۸۔ (زکریا)۔

(۳) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱ ص: ۲۶۷۔ (زکریا)۔

(۴) وکذافی مجمع الأنهر۔ (ج: ۱ ص: ۵۸)۔

ایک تیمم سے متعدد فرائض ادا کرنے کا حکم

سوال: ایک تیمم سے کتنے فرائض کو ادا کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایک تیمم سے جتنے بھی فرائض کو ادا کرنا چاہتا ہے ادا کرسکتا ہے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) ویجوز أن یصلی بالتیمم الواحد ماشاءَ من الفرائض کالوضوء۔ (حاشیة

الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۲۵۔ دار الکتاب)۔

(۲) ویصلی بالتیمم الواحد ماشاءَ من فرض ونفل کالوضوء۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۶۳)۔

(۳) وکذافی الفقه الحنفی وأدلته ج: ۱ ص: ۸۴۔

(۴) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۵۶۔ (سعید)۔

(۵) وکذافی تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۴۲۔

(۶) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱ ص: ۳۹۵۔ (زکریا)۔

(۷) وکذافی الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۸۳۔ (زکریا)۔

ناک سے خون نکلنے سے آدمی معذور بن جاتا ہے؟

سوال: جس کی ناک سے بار بار خون نکلتا ہو تو وہ معذور کب کہلائے گا؟

الجواب حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جس کی ناک سے بار بار خون نکلتا ہو وہ اس وقت معذور ہوگا جب ایک کامل نماز کا وقت ایسا اس کو نہ مل سکے کہ وضوء کر کے نماز بغیر عذر کے ادا کرسکے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) أن لا یجد فی جمیع وقتها زمناً یتوضأ ویصلی فیه خالیا عن الحدث۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۲۸۱۔ أشرفیه)۔

(۲) ولا یصیر معذوراً حتی استوعبه العذر وقتاً کاملاً لیس فیه انقطاع لعذره بقدر الوضوء والصلاۃ۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۵۰۔ دار الکتاب)۔

(۳) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۷۔ (سعید)۔

(۴) وکذافی الشامی ج: ۱ ص: ۵۵۴۔ (أشرفیه)۔

مستحاضہ عورت کے وضو کا حکم

سوال: مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء نہیں کرے گی بلکہ ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضوء کرے گی، پھر اس وضوء سے جتنی چاہئے نماز پڑھ سکتے ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة ويصلون به في الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل۔ (حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۴۹ ۔دار الكتاب)۔

(۲) يتوضؤون لوقت كل صلاة ويصلون به ما شاؤا من فرض و نفل ويبطل لخروجه فقط۔ (مجمع الأنهر ۸۴۔فقيه الأمة)۔

(۳) وحكمه الوضوء لوقت على صلاة ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً فإذا خرج الوقت بطل۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۵۵) أشرفيه۔

(۴) وكذا في البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۵۔ (سعيد)۔

(۵) وكذا في الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۹۵۔ (زكريا)۔

(۶) وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۳۳۔ (زكريا)

نجاست غلیظہ اور خفیہ کی تعریف

سوال: نجاست غلیظہ وخفیفہ میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً واللّٰہ الموفق بالصواب

نجاست غلیظہ وہ نجاست ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو سکے جس کے معارض دوسری نص طہارت کو ثابت کرنے والی نہ ہو۔ اور اگر دو نص باہم متعارض موجود ہوں کہ ایک نجاست

ثابت کرتی ہے اور دوسری طہارت، تو یہ نجاست خفیفہ کہلائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) حاصله إن الإمام أبا حنيفة قال ما توافقت على نجاسته الأدلة فمغلظ سواء اختلفت فيه العلماء وكان فيه بلوى أم لا وإلا فهو مخفف وقالا ما اتفق العلماء على نجاسته ولم يكن فيه بلوى فمغلظ وإلا مخفف ولا نظر للأدلة۔ (حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۵۳ ۔دار الكتاب)۔

(۲) ثم اعلم إن المغلظ من النجاسة عند الإمام ما ورد فيه نص لم يعارض بنص اخذ۔ فإن عورض بنص أخذ فمخفف وعندهما ما الاختلف الائمة في نجاسته فهو مخفف۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۷۳۔أشرفيه)۔

(۳) وكذا في الهداية ج: ۱ ص: ۵۷۔تهانوي۔

(۴) وكذا في البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۲۹۔سعيد۔

(۵) وكذا في مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۹۳۔ (فقيه الأمة)۔

چوہے کا پیشاب کونسی قسم کی نجاست ہے

سوال: چوہے کا پیشاب نجاست غلیظہ میں داخل ہے یا خفیفہ میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً واللّٰہ الموفق بالصواب

چوہے کا پیشاب نجاست خفیفہ میں داخل ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) بول الفأرة وخذؤها نجس وقيل بولها معفو وعليه الفتوى وفي الحجة والصحيح أنه نجس۔ (الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۴۳۰۔زكريا)۔

(۲) من الغليظة۔ وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم إلا بول الخفاش وخدأه فطاهر وكذا بول الفأرة لتعذر التحرز عنه وعليه الفتاوىٰ۔ (شامي ج: ۱

ص: ۵۷۴۔أشرفیه۔

(۳) وکذافی حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۵۴۔(دار الکتاب)۔

(۴) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۳۰۔(سعید)۔

(۵) وکذافی مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۹۳۔(فقیه الأمة)۔

نفاس کی اقل اور اکثر مدت کیا ہے؟

سوال: نفاس کی کم سے کم مدت اور زیادہ مدت کتنے ایام ہیں؟

نفاس کی اقل مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اور اکثر مدت نفاس چالیس دن ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وحکم النفاس لاحد لأقله وأکثره أربعون یوماً۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۴۶۔ أشرفیه۔

(۲) النفاس هو الدم الخارج عقب الولادة وأکثره أربعون یوماً ولا حد لأقله۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۴۰۔دار الکتاب)

(۳) والنفاس دم یعقب الولد وحکمه حکم الحیض ولا حد لأقله وأکثره أربعون یوماً۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۸۲۔فقیه الأمة)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۵۷۔(زکریا)۔

(۵) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۰۔۲۱۹۔

نفاس کی ایک صورت

سوال: ایک عورت کا بچہ ناقص الخلقت ساقط ہو گیا جس کے کچھ اعضاء تیار ہوئے تھے اس کے بعد عورت کو خون آنا شروع ہو گیا تو یہ خون نفاس کہلائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و الله الموفق بالصواب

صورت مسئلہ میں یہ خون نفاس کہلائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والسقط إن ظهر بعض خلقه فهو ولو تصیر به أمة نفساء والأمة أم ولد وتنقض به العدت۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۸۳۔فقیه الأمة)۔

(۲) وسقط ظهر بعض خلقه کید أو رجل أو اصبع أو ظفر أو شعر ولا یستبین خلقه إلا بعد مائه وعشرین یوماً ولو فیصیر المرأة به نفساء والأمة أم ولد وتنقضی به العدة۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۴۹ أشرفیه)۔

(۳) وکذافی حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۴۰۔(دار الکتاب)۔

(۴) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۸۔(سعید)۔

(۵) وکذافی الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۹۱۔(زکریا)۔

(۶) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱ ص: ۵۴۲۔(زکریا)۔

گلاب کے پانی سے پاکیزی حاصل کرنے کا حکم

سوال: گلاب کے پانی سے اگر کوئی نجاست دور کرے تو نجاست دور ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و الله الموفق بالصواب

گلاب کے پانی سے اگر کوئی نجاست دور کرے تو نجاست دور ہو جائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویکل مائع طاهر قالع للنجاسة ینعصر بالعصری لخل وماء ورد حتی الریق۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۶۱۔أشرفیه)۔

(۲) ویطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مذیل کالخل وماء والورد۔ (البحر

الرائق ج: ١ ص: ۲۲۱۔سعید)۔

(۳) یطهر بدن المصلی وثوبه من النجس الحقیقی بالماء وبکل مائع طاهر مذیل کالخل وماء الورد لا الدهن۔ (مجمع الأنهر ج: ١ ص: ۸٦۔فقیه الأمة)۔

(۴) وکذافی ملتقی الأبحر ج: ١ ص: ٤٦۔

نجاست دور کرنے کے بعد اس کا کلر باقی رہ جانے کا حکم

سوال: نجاست دور کرنے کے بعد اگر اس کا کلر باقی رہ جائے تو کپڑا پاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاًو اللّٰہ الموفق بالصواب

نجاست دور کرنے کے بعد اگر اس کا کلر باقی رہ جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(١) والنجس المرئی یطهر بردوال عینه الا مایشق أی یطهر محله بزوال عینه لأن تنجس المحل باعتبار العین فیزول بزوالها۔ (البحر الرائق ج: ١ ص: ۲۳٦۔سعید)۔

(۲) والنجس المرئی یطهر بزوال عینه إلا ما یشق وغیره بالغسل ثلاثاً۔ (النهر الفائق ج: ١ ص: ١۵٠) زکریا۔

(۳) لا بد من غسله وطهارة المرئی بزوال عینه ویعفی أثر شق زواله وغیر المرئی بالغسل ثلاثاً۔ (مجمع الأنهر ج: ١ ص: ۹٠۔فقیه الأمة)۔

(۴) وکذافی الدر المختار ج: ١ ص: ۵٦٠۔أشرفیه۔

(۵) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ١ ص: ۹۴۴۔(زکریا)۔

جو پانی پونچھ سے لگ جائے کیا وہ ناپاک ہو جاتا ہے

سوال: اگر کسی شخص کی مونچھ لمبی ہو اور پانی پیتے وقت وہ پانی سے لگ جائے تو اس کا بچا ہوا پانی پی سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کسی شخص کی مونچھ لمبی ہو اور پانی پیتے وقت وہ پانی سے لگ جائے تو اس کا بچا ہوا پانی پی سکتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(١) إذا کان شارب شارب الخمر طویلاً یتخبس الماء وإن شرب بعد ساعة کذا فی التاتارخانیة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ١ ص: ۲۳۔رشیدیة)۔

(۲) إذا کان شارب شارب الخمر طویلاً یتجس الماء وإن شرب بعد ساعة۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ١ ص: ۳۵۲۔زکریا)۔

(۳) وکذافی البحر الرائق ج: ١ ص: ١۲۷۔(سعید)

(۴) وکذافی تبیین الحقائق ج: ١ ص: ۳١۔

(۵) وکذافی مجمع الأنهر ج: ١ ص: ۵۵۔(فقیه الأمة)۔

(٦) وکذافی النهر الفائق ج: ١ ص: ۹۲۔(زکریا)۔

سوکھی ناپاک زمین پر تیمم کرنے کا حکم

سوال: زمین کی کسی ٹکڑے پر پیشاب کردے اس کے بعد وہ دھوپ سے خشک ہو جائے تو اس مٹی سے تیمم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

زمین کے کسی ٹکڑے پر پیشاب کردے اس کے بعد وہ دھوپ سے خشک ہو جائے تو

اس مٹی سے تیمم کرنا درست نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویطھر أرض بخلاف نحو بساط ببسھا أي جفافھا ولو بدیح وذھاب أثرھا کللون وریح لأجل صلاۃٍ علیھا لا تیمم بھا لأن المشروط لھا الطھارۃ ولہ الفطھور بہ۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۶۳۔ أشرفیہ)۔

(۲) أن یکون التیمم بطاھر طیب وھو الذی لم یمسہ نجاسۃ ولو زالت بذھاب أثرھا۔ (حاشیۃ الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۱۸۔ دار الکتاب)۔

(۳) وکذا فی البنایۃ ج: ۱ ص: ۲۸۷۔ (دار الفکر)۔

(۴) وکذا فی تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۲۷۔ (امدادیۃ)۔

(۵) وکذا فی الھدایۃ ج: ۱ ص: ۴۷۔ (بلال)۔

گوبر کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو کیا وہ پاک ہو جاتا ہے

سوال: گوبر جب خشک ہو جائے اور اس کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

گوبر جب خشک ہو جائے اور اس کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومنھا الإحراق: السرقین إذا أحدق حتی صار رماداً فعند معمد یحکم بطھارتہ وعلیہ الفتوی ھکذا فی الخلاصۃ وکذا العذرۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج: ۱ ص: ۹۹۔ زکریا)۔

(۲) إن النجاسۃ إذا تغیرت بمض الزمان وتبدلت أوصافھا تصیر شیئًا آخر۔ منھا۔ العذرۃ إذا احدقت بالنار وصارت رماداً۔ (بدائع الصنائع ج: ۱

ص: ۲۴۳۔ زکریا)۔

(۳) احترقت النار فتصید رماداً طاراً علی الصحیح لتبدل الحقیقۃ۔ (حاشیۃ الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۶۵۔ دار الکتاب)۔

(۴) وکذا فی الشامی ج: ۱ ص: ۵۲۶۔ (أشرفیہ)۔

(۵) وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج: ۱ ص: ۵۳۴۔ (زکریا)۔

(۶) وکذا فی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۲۷۔ (سعید)

کیا مچھلی کے خون ناپاک ہے

سوال: مچھلی کا خون اگر کپڑے میں لگ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مچھلی کا خون اگر کپڑے میں لگ جائے تو وہ پاک ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وأمادم السمک ولعاب البغل: والحمار فطاھر فی ظاھر الروایۃ وھو الصحیح۔ (حاشیۃ الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۵۶۔ دار الکتاب)۔

(۲) وعفی دم السمک ولعاب بعل وحمار والمذھب أن دم السمک طاھر لأنہ دم صورۃ لا حقیقۃ۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۷۹۔ أشرفیہ)۔

(۳) ودم السمک وما یعیش فی الماء ل یفسد الثوب فی قول أبی حنیفۃ ومعمد۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج: ۱ ص: ۱۰۲۔ زکریا)۔

(۴) وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ۔ (زکریا)۔

(۵) وکذا فی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۹۵۔ (زکریا)۔

موبائل کے ذریعہ قرآن پڑھنے کا حکم

سوال: موبائل کے ذریعہ بلاوضوء قرآن شریف پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

موبائل کے ذریعہ بلا وضوء قرآن شریف پڑھا جا سکتا ہے لیکن موبائل پر ظاہر ہونے والے الفاظ قرآنیہ کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرئنا القرآن علی کل حالٍ مالم یکن جنباً۔ (رواہ الامام الترمذی سننہ ج: ۱، ص: ۳۸۔ مکتب بلال)۔

(۲) منع الحدث المس أی مس القرآن الکریم ومنعھما الجنابۃ والنفاس أی منع من القراءۃ والمس۔ (تبیین الحقائق ج: ۱، ص: ۵۷۔ امدادیہ)۔ (البحر الرائق ج: ۱، ص: ۱۹۹۔ سعید کراچی)۔

(۳) ومنھا حرمۃ قراءۃ القرآن، لا تقرأ الحائض والجنب شیئًا من القرآن۔ (ھندیہ ج: ۱ ص: ۳۸۔ رشیدیۃ)۔

(۴) والحدیث یدل علی جواز قراءۃ القرآن للحدث بالحدث الأصغر وھو مجمع علیہ وأما قراءۃ الحدث فی المصحف ومسہ لا یجوز الا بطھارۃ۔ (عون المعبود ج: ۱ ص: ۳۰۳۔ قدس)۔ (بذل المجھود ج: ۲ ص: ۲۱۰۔ مرکز الشیخ)۔

(۵) کان یقرئنا القرآن أی یعلمنا علی کل حالٍ متوضأً أو کان غیر متوضئٍ۔ (تحفۃ الأحوذی ج: ۱ ص: ۳۲۱۔ قدس)۔

(۶) ھکذا فی الشامی ج: ۱ ص: ۲۹۲۔ کراچی۔

عورت کے احتلام اور حیض کے درمیان کیا فرق ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: عورت کا احتلام یا حیض میں کوئی فرق ہے؟ یا ایک ہی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت کا حیض اور احتلام ایک ہی ہے۔ حالانکہ دونوں الگ الگ ہے اور ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ اس سے اہم فرقوں میں چند فرق یہ ہے۔

احتلام منی نکلنے اور حیض خاص قسم کے خون نکلنے کو کہتے ہیں۔

حیض کی مدت متعین ہے جیسا کہ اس کی اقل مدت تین دن اور اکثر مدت دس دن ہیں۔ جبکہ احتلام کے لئے کوئی مخصوص مدت نہیں ہے۔

دو حیض کے دوران کم از کم پندرہ دن کا فاصلہ ہونا شرط ہے۔ جبکہ احتلام کے اندر ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔

حیض کے بسبب عورت سے نماز اور روزہ کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ روزے کی قضاء بعد میں کرنی ہوتی ہے۔ لیکن احتلام میں ایسا نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أم سلمۃ رضی اللہ عنھا قالت: جاءت أم سلیم إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ إن اللہ لا یستحی من الحق فھل علی المرءۃ من غسل إذا احتلمت؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نعم إذا رأت الماء فقالت أم سلمۃ لرسول اللہ وتحتلم المرأۃ؟ فقال تربت یداک، فبم یشبھھا ولدھا؟

رواہ الإمام مسلم فی صحیحہ ج: ۱ ص: ۱۴۶۔ باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منھا مکتبہ بلال دیوبند۔

رواہ النسائی فی سننہ ج: ۱ ص: ۲۲۔ باب غسل المرأۃ تری فی منامھا ما یری

الرجل۔ مکتبہ بلال دیوبند۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: فإن ذلک شیئ کتبہ اللہ علی نبات أدم فافعلی ما یفعل الحاج غیر أن لا تطوفی بالبیت حتی تطہری۔ (رواہ البخاری ج:۱ ص:۴۴۔ کتاب الحیض یاسر ندیم۔ (إعلاء السنن ج:۱ ادارة القرآن کراچی)۔

عن سفیان قال: أقل الحیض ثلاث واکثرہ عشرة۔ (سنن الدار قطنی ج:۱ ص:۲۱۶۔ مکتبہ دار الإیمان سہارنپور)۔

الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة ج:۱ ص:۶۲۔ تہانوی۔

فیہ دلیل علی أن کل النساء تحتلمن۔ (فتح الملہم ج:۳ ص:۹۷۔ فیصل دیوبند)۔

وھو دم تنفضه رحم امرأة سلیمة عن داءٍ وصغرٍ۔ (کنز الدقائق ج:۱ ص:۱۹۰۔ مع البحر الرائق سعید)۔

أقله أی الطہر أی: الفاصل بین الحیضتین خمسة عشر یوماً۔ (النہر الفائق ج:۱ ص:۱۳۷۔ زکریا دیوبند)۔

سجدہ تلاوت کے لئے وضوء شرط ہے

سوال: سجدہ تلاوت بغیر وضوء جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ تشفی بخش جواب سے نوازینگے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات ائمہ کا اجماعی مسئلہ ہے کہ بغیر وضوء سجدۂ تلاوت جائز نہیں ہے۔ چند شرائط میں یہ نماز کی طرح ہے جیسے: بدن، کپڑا اور جائے نماز کا پاک ہونا، اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا، اور ستر عورت کو ڈھاپ کر رکھنا۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن الحسن: فی الرجل یسمع السجدة وھو علی غیر وضوءٍ فلا سجود علیه۔ (المصنف لابن أبی شیبة ج:۳ ص:۴۰۹۔ باب الرجل یسمع السجدة وھو علی غیر وضوءٍ۔ المجلس العلمی۔

عن نافع عن ابن عمر قال لا یسجد الرجل إلا وھو طاھر۔ (فتح الباری ج:۲ ص:۶۴۴۔ بیروت)۔

ھکذا فی عمدة القاری ج:۵ ص:۳۴۸۔ زکریا دیوبند۔

حاشیة البخاری ج:۱ ص:۱۴۶۔ باب ماجاء فی سجود القرآن۔ رقم الحاشیة ج:۵ یاسر ندیم دیوبند۔

شرائط صحة أداء سجود التلاوة: وھی ما کان من شرائط صحة الصلاة۔ من الطهارة عن النجاسة الحقیقة بدناً ومکاناً وثیاباً وستر العورة واستقبال القبلة ونحوھا۔ لأنها بعض الصلاة۔ فیشترط لأدائها ماھو شرط فی الکل۔ (تحفة الفقهاء ج:۱ ص:۴۵۴۔ دار الکتب العلمیة بیروت)۔

ولا تصح بدون الطهارة کالصلاة وسجدة التلاوة أو صلاة الجنازة۔ (مجمع الأنهر ج:۱ ص:۱۶۱۔ فقیه الامت)۔

وأما الأئمة الأربعة فقائلون بوجوب التوضی فی سجدة التلاوة۔ لأنها أی السجدة أخص مدارج الصلاة فیشترط لها کما اشترط لها۔ (العرف الشاذی مع سنن الترمذی ج:۱ ص:۳) باب لا تقبل الصلاة بغیر طهور۔ مکتبہ بلال دیوبند۔

إن الوضوء علی ثلاثة أنواع: فرض وھو الوضوء الصلاة الفریضة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة۔ (البحر الرائق ج:۱ ص:۱۶۔ سعید فرائض الوضوء)۔

کتاب الصلوٰۃ

بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر نماز کے تمام شرائط وارکان موجود ہوتواس لئے پیچھے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(١) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ۔ الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً وإن تحمل الكبائر۔ (ابوداؤد ج: ١ ص: ٣٤٣۔مكتبه بلال)۔

(٢) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ۔ صلوا خلف كل برٍ و فاجرٍ۔ (سنن الدارقطنی ج: ٢ ص: ٤٤)۔ ١٧٤٧۔ دار الإيمان۔

(٣) ولو صلی خلف مبتدعٍ أو فاسق فهو محرر ثواب الجماعة لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقی كذا فی الخلاصة۔ (هنديه ج: ١ ص: ٨٧۔رشيديه)۔

(٤) وإن تقدّموا جاز لقوله عليه السلام صلوا خلف كل برٍ و فاجرٍ۔ (تبيين الحقائق ج: ١ ص: ١٤٦۔امداديه)۔

(٥) قوله عليه السلام: فصلوا معهم ما صلوا القبلة: وفيه دليل على جواز الصلاة خلف الفرق الباغية وكل برو فاجرٍ۔ (شرح الطيبی ج: ٣ ص: ٨٩٤۔ المكتبة العربيه)۔

(٦) رجعنا إلى الأصل أن من صحَت صلاته صحت إمامته وأيد ذلک فعل الصحابة فإنه اخرج البخاری فی التاريخ عن عبد الكريم: أنه قال أدركت عشرة

من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم: يصلون خلف ائمة الجور۔ (عون المعبود ج: ١ ص: ٢١٣۔قدس)

کیا میاں بیوی گھر میں جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھ سکتے ہیں

سوال: ہم جہاں رہتے ہیں ہمارے گھر سے مسجد پانچ کیلومیٹر کی دوری پر ہے کیا ہم میاں بیوی ایک ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں میاں بیوی ایک ساتھ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اہلیہ پیچھے کھڑی ہوں اگر اہلیہ کے قدم شوہر کے قدم سے مل جائے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

الدليل على ما قلنا

(١) المرءة إذا صلت مع زوجها فی البيت إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا يجوز صلاتهما بالجماعة وإن كان قدمها خلف قدم الزوج إلا أنها تقع رأس المرءة فی السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما لأن العبرة للقدم۔ (شامی ج: ١ ص: ٥٧٢۔ كراچی)۔ (تاتارخانيه ج: ٢ ص: ٢٧٣ زكريا)۔ هكذا فی (البحر الرائق ج: ١ ص: ٣٥٤۔ (سعيد كراچی)۔ (هنديه ج: ١ ص: ٨٩۔ رشيديه)۔

مکروہات وقت میں نماز کے علاوہ دوسری عبادتیں کرنے کا حکم

سوال: مکروہات وقت میں نماز کے علاوہ اور دوسری عبادت بھی کرنا منع ہے جیسے تلاوت، قرآن، تسبیحات وغیرہ

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مکروہات وقت میں حضرت رسول اللہ ﷺ نے صرف تین چیزوں سے منع فرمایا ہے

جو کہ عقبہ بن عامر کی حدیث میں مذکور ہے۔ البتہ مذکورہ اوقات میں تلاوت تسبیحات سے منع نہیں ہیں۔ لیکن ان اوقات میں تلاوت قرآن کے بجائے درود پاک اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اولیٰ ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عقبة بن عامر الجهنی رضی الله عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلی الله عليه وسلم ينهانا أن تصلی فيهن وأن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس باذغة حتی ترتفع وحين تقوم قائم الظهيرة حتی تميل وحين تضيف الشمس حتی تغرب۔ (شرح معان الآثار ج: ۱ ص: ۱۱۰۔ یاسر ندیم)۔

الصلاة فيها علی النبی أفضل من قراءة القرآن لأنها من أذكار الصلاة۔ وتحته فی الشامية: أن مفاده أنه لا كراهة أصلاً لأن ترک الفاضل لا كراهة فيه۔ (شامی ج: ۱ ص: ۳۷۴۔ کراچی)۔

إذا ثلا آية السجدة فی هذه الأوقات فالأفضل أن لا يسجد ولو سجدها جاز لا يعيد۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج: ۱ ص: ۴۰۸۔ کراچی)۔

ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة المتلوة فی غير هذه الأوقات وصلاة الجنازة حضرت قبلها۔ (سکب الانهر ج: ۱ ص: ۱۱۰۔ فقيه الأمة)۔

هكذا فی: الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۵۳۔ رشيديه۔

واقتصر عليه فی القنية قال: الصلاة علی النبی صلی الله عليه وسلم والدعاء والتسبيح أفضل من قراءة القرآن فی الاوقات التی نهی عن الصلاة فيها۔ (شامی ج: ٦ ص: ۴۲۳۔ کراچی)۔

فوم والے جائے نماز میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: حضرت مفتی صاحب کیا فوم والے جائے نماز پر سجدہ کرنا درست ہے؟ جس

میں زمین کی سختی محسوس ہی نہ ہو۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

فوم والا جائے نماز اگر ایسا ہو کہ مصلی اگر اس پر سر رکھنے میں مبالغہ کرے تو سر سجدہ گاہ سے زیادہ نیچے نہ جائے تو نماز درست ہے ورنہ نماز درست نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

والسجود علی شیئی یجد الساجد حجمه بحيث لو بالغ لا تقسفل رأسه أبلغ مما كان حال الوضع۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص: ۲۳۱۔ دار الكتاب)۔

يجوز السجود علی الأرض وكذا يجوز علی ما هو بمعنی الأرض مما تجد جبهته وتستقر عليه۔۔۔ اذا القی الحشيش فسجد عليه إن وجد حجمه جاز والإفلا۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۱۹) سعید کراچی۔

ويسجد علی شيئ يجد الساجد حجمه وتستقر عليه لا علی مالا تستقر۔ وحد الاستقرار: إن بالغ لا ينزل رأسه أسفل من ذلک۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۱۱۸۔ فقيه الامة۔

وان سجد يغيب وجهه ولا يجد حجمه أی صلابة جرمه لم يجز سجوده عليه لعدم استقرار جبهته عليه۔ (حلبی کبیری ص: ۲۸۹۔ لاهور)۔

جمعہ کے خطبہ دیکھ کر دینا کیسا ہے؟

سوال: خطبہ جمعہ کتاب میں دیکھ کر دینا سنت ہے؟ یا زبانی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

خطبہ جمعہ دیکھ کر دینا اور زبانی یاد کر کے دینا دونوں طرح درست ہے زبانی یاد کر کے یا اپنی طرف سے بنا کر یاد کر کے خطبہ دینا زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ سنت متواتر یہی ہے حضرت نبی پاک ﷺ اور خلفاء راشدین اربعہ اور تمام صحابہ نے زبانی ہی خطبہ دیا ہیں۔

والخطبة فی الاصطلاحی ھی الکلام المؤلف الذی یتضمن وعظاً وإبلاغاً علی صفة مخصوصة۔ (الموسوعة الفقهیة ج:۱۷ ص:۱۹) الکویت۔

وسنتها کونها خطبتین تشمل کل منها علی الحمد والتشهد والصلاة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الأولی علی التلاوة والوعظ أیضاً والثانیة علی الدعاء۔ (حلبی کبیری ص:۵۵۵) لاھور۔

فتاویٰ محمودیه ج:۱۱ ص:۲۱۲۔شیخ الاسلام۔

جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنت ادا کی جاسکتی ہے؟

سوال: حضرت اقدس مدظلہ سے گذارش ہے کہ اس مسئلے کو کیا جائے ایک مسجد ہے جس میں چار صف ہے امام فجر کی نماز پڑھا رہا ہے آیا اس صورت میں فجر کی سنت مسجد میں پڑھنا حرام ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نوافل وسنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔مسجد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔البتہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت ونفل مشروع نہیں ہے۔لیکن چونکہ سنت فجر کے بارے حضور پاک ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے، اس لئے حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر جماعت ملنے کی امید ہو تو سنت فجر کو تخفیف کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے۔لیکن جن حصہ میں جماعت ہو رہی ہو اس میں بلا حائل سنت فجر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ ایسی صورت میں مسجد کے باہر صحن میں سنت فجر پڑھ لے اور اگر مسجد ایک ہی حصہ کا ہو تو روزہ کے قریب پڑھ لے، وہاں بھی اگر جگہ نہ ہو تو مسجد میں ستون وغیرہ کی آڑ میں پڑھ لے اگر وہاں پر بھی جگہ نہ ملے تو سنت فجر کو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن زید بن ثابت رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: صلوا أیها الناس فی

بیوتکم فإن أفضل الصلاة صلاة المرء فی بیته الا المکتوبة۔ (رواه الامام البخاری فی صحیحه ج:۱ ص:۱۰۱ ـیاسر ندیم)۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها (قالت) عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: صلوا أیها الناس فی بیوتکم فإن أفضل الصلاة صلاة المرء فی بیته الا المکتوبة۔ (رواه الإمام البخاری فی صحیحه ج:۱ ص:۱۰۱ ـیاسر ندیم)۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها (قالت) عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیها۔ (الصحیح المسلم ج:۱ ص:۲۵۱۔ مکتبه بلال دیوبند)۔

أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إذا اقیمت الصلاة فلا صلاة الا المکتوبة إلا رکعتی الصبح۔ (السنن الکبری للبیهقی ج:۲ ص:۴۸۳ـدار الفکر)۔

وإذا خاف فوت رکعتی الفجر لا شتغاله بسننها ترکها لکون الجماعة أکمل۔ والا بأن رجا إدراک رکعة فی ظاهر المذهب۔ (وتحته فی الشامیة)---- لا یترکها بل یصلیها عند باب المسجد إن وجد مکاناً وإلا ترکها۔ (وتحته فی الشامیة)---- فإن لم یکن علی باب المسجد موضع للصلاة یصلیها فی المسجد خلف ساریه من سواری المسجد وأشدها کراهة أن یصلیها مخالطا للصف مخالفاً للجماعة---- لأن ترک المکروه فدم علی السنة۔ (شامی ج:۲ ص:۵۶۔ کراچی پاکستان)۔

ملتقی الأبحر ج:۱ ص:۱۲۵ ـمؤسسة الرسالة۔

مجمع الأنهر ج:۱ ص:۲۱۰ ـفقیه الأمة دیوبند۔

مراقی الفلاح علی نور الایضاح مع الطحطاوی ص:۴۵۲ـدار الکتاب۔

ومن خاف فوت الفجر ان أدی سنته ائتم وترکها لأن ثواب الجماعة أعظم

والوعيد بتركها ألزم فكان احراز فضيلتها أولى.... وإن لم يخش أن تفوته الركعتان إلى أن يصلى سنة الفجر فان كان يرجو أن يدرك احداهما مالا يتركها لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين۔ (تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۱۸۲۔ امداديه ملتان)۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۷۳۔ سعيد كراچی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی

سوال: حضرت براہ کرم ایک مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ آں صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھایا اور جماعت کے ساتھ پڑھی گئی تھی؟

الجواب: حامداً ومصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

آپ ﷺ کی نماز جنازہ کسی کی اقتداء میں نہیں پڑھی گئی بلکہ ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی۔ پہلے بنی ہاشم نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر بقیہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔ جب سب مرد فارغ ہوئے تب عورتیں جانے لگیں۔ پھر جب عورتیں بھی فارغ ہوگئیں۔ تو بچے جانے لگے۔ کمافی ابن ماجہ۔

الدليل على ماقلنا

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل۔

فلما فرغوا من جهازه يوم الثلثاء وضع على سريره فى بيته ثم دخل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ارسالاً يصلون عليه حتى إذا فرغوا ادخلوا النساء حتى إذا فرغوا ادخلوا الصبيان ولم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد۔ (سنن ابن ماجه ج: ۱ ص: ۱۱۷۔ باب وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم)۔

نقل عن على رضى الله عنه أنه قال لم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد، لأنه كان امامكم فى الحيات وبعد الممات۔ (حاشية الطحطاوى ج: ۱

ص: ۱۱۷)۔

وأول من صلى عليه كان أهل بيته على وعباس، وبنو هاشم ثم المهاجرون۔ ثم الانصار۔ (حاشية ابن ماجه ج: ۱ ص: ۱۱۷)۔

صلى عليه الناس أفذاذاً لأنه كان آخر العهد به فأرادوا أن يأخذ كل واحد بركته مخصوصاً دون أن يكون تابعاً فيها غيره۔ (تفسير القرطبى ج: ۴ ص: ۲۲۵۔ دار إحياء التراث العربى)۔

فقد صلى الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أفراداً لا يؤمهم أحد۔ وذلك لعظم رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ وتنافسهم فى أن لا يتولى الإمامة فى الصلاة عليه أحد وصلوا عليه مرة بعد مرة۔ (كتاب لأم للشافعى ج: ۱ ص: ۲۸۱۔ باب الصلوٰة على الميت۔ بيروت)

عن ابن عباس قال: لما صلى على رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم أدخل الرجال فصلوا عليه بغير إمام ارسالاً حتى فرغوا ثم أدخل النساء فصلين عليه ثم أدخل الصبيان فصلوا عليه ثم أدخل العبيد فصلوا عليه إرسالاً لم يؤمهم على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد۔

(السنن الكبرى للبيهقى (ج: ۴ ص: ۴۹۔ باب الجماعة يصلون على الجنازة افذاذاً۔ بيروت)

کسی نے قنوت نازلہ پہلی رکعت پڑھ لی تو اس کی نماز کا کیا حکم

سوال: قنوت نازلہ فجر کی پہلی رکعت میں رکوع کے پڑھا تو کیا نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب عطا فرمائیں گے

الجواب: حامداً ومصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

دعاء قنوت خواہ راتبہ ہو یا نازلہ ہو اخیری رکعت میں پڑھنا اس کا مشروع ہے اگر کوئی

آدمی غلطی سے پہلی یا دوسری رکعت میں دعاءِ قنوت پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن قنوت کو اپنا محل سے ہٹانے اور دوسرے ایک رکن میں تاخیر کرنے کے سبب ان پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اس کو چاہئے دوبارہ اخیری رکعت میں قنوت نہ پڑھے۔ کیونکہ قنوت دوبارہ مشروع نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

ویسجد للسهو لزوال القنوت عن محلله الأصلي وتاخير الواجب۔ (مراقی الفلاح علی نور الإيضاح مع حاشية الطحطاوی ص:۳۸۵۔ دار الكتاب ديوبند)۔

ونظيره: عن محمد لو تشهد فی قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه، وبعدها يلزم سجود السهو وهو الأصح۔ ولأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة فإذا تشهدفيه أخر الواجب۔ (تدبيين الحقائق ج:۱ ص:۱۹۳۔ امداديه ملتان)۔

شرعية القنوت أنها هی فی آخر الصلاة حقيقة أو حلماً كما فی غير المسبوق أو حكماً فقط كما فی المسبوق۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۲ ص:۴۱۔ زكريا)۔

ولأنه غير مشروع أی الاتيان به مرة ثانية۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص:۲۸۶۔ دار الكتاب ديوبند)۔

دوران نماز موبائل فون بجنے کی صورت میں کیسے بند کیا جائے

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ آنحضرت والا بخیر وعافیت ہونگے۔ حضرت دوران نماز موبائل فون بجنے کی صورت میں کس طرح بند کریں؟ براہ کرم مذکورہ مسئلے کی وضاحت کر سرفراز فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مصلی کو چاہیے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں فوراً موبائل کو بند کر دے یا سائیلنٹ کر دے تاکہ نماز میں خلل پیدا نہ ہو۔ اور اگر دوران نماز رنگ بج جائے تو بلا تاخیر ایک ہاتھ سے اگر ممکن ہو تو جیب میں رہتے ہوئے بند کر دے۔ بہت سے لوگ جیب سے نکلتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں پھر بند کرتے ہیں۔ یہ عمل کثیر ہے اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

ولو سقطت فلنسوته فإعادتها أفضل، إلا إذا احتاجت لتكوير أو عملٍ كثيرٍ۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۱ ص:۶۴۱۔ کراچی)۔

ولو رفع العمامة ووضعها على الأرض أو رفعها من الأرض ووضعها على الرأس لا تفسد لأنه يتم بيد واحدةٍ من غير تكرار لفعل۔ (فتاویٰ قاضی خان مع الهنديه ج:۷ ص:۱۸۔ زكريا)۔

وكل عملٍ لا يشك الناظر فی عامله أنه فی الصلاة أو ليس فی الصّلاة فهو يسير۔ وكل عمل لا يشك الناظر فی أنه ليس فی الصلاة فهو كثير۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۲ ص:۲۳۴۔ زكريا)۔

الفتاویٰ الهندية ج:۱ ص:۱۶۰۔ زكريا۔

کیا قنوت کی غلطیوں کا اثر نماز میں ہوتا ہے

سوال: امام صاحب نے قنوت نازلہ میں "اِنہ لا یذل من والیت" کی جگہ میں "انہ لا یذل من عادیت" پڑھ دیا اور وہ امام تقریباً دس روز سے اسی طرح پڑھ رہا ہے۔ ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلياً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جس طریقہ سے قراءت میں فحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اسی طرح ادعیہ میں

اس قسم کی غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ صورت مسئولہ میں مذکورہ نمازیں درست نہیں ہوئی اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

القنوت دعاء كالقراءة۔ (تحفة الفقهاء ج: ۱ ص: ۲۸۴) بیروت۔

الموسوعة الفقهية ج: ۳۴ ص: ۶۸۔

قرء وإليک نسعى وتحفذ بالذال تفسد صلاته۔ (فتاویٰ قاضی خان ج: ۱ ص: ۱۳۵) بیروت۔

مستفاد من: ومن يؤمن بالله ويعمل صالحاً يدخله جنات، ومن يكفر بالله۔ (يدخل جنات) تفسد صلاته۔ (المصدر السابق ج: ۱ ص: ۱۳۵) بیروت۔

نماز میں کتنے دیر تک خاموش رہنے سے سجدہ سہو واجب آتا ہے

سوال: نماز میں ایک رکن یا تین تسبیح کے بقدر کے مقدار خاموش رہنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؟ براہ مہربانی جواب سے نوازیں۔ اور ساتھ ساتھ ایک رکن کے مقدار بھی بتا دیجئے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نماز ایک عظیم ترین عبادت ہے جس میں بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے، اور انسان کا ذہن ہر وقت کسی نہ کسی فکر میں مشغول رہتا ہے۔ اس لئے نمازی کو چاہئے کہ وہ اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو میں دیکھ رہا ہوں۔ یا وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

كما جاء في الحديث أن تعبد الله كأنک تراه، فإن لم تكن تراه، فإنه يراک۔

بسا اوقات لوگ نماز کی حالت میں دنیاوی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن اعمال نماز سے اسے نہیں روکتی ہے۔ اس سے اس کی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ البتہ خشوع و خضوع کے خلاف ہے۔ اور اگر نماز میں خلل پیدا کر دے، جس کے سبب وہ خاموش رہے۔

اور اس کی وجہ سے کسی رکن یا واجب ادا کرنے سے ایک رکن یعنی تین تسبیح کے بقدر تاخیر ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

قوله العبارة۔ قال الإمام الامشی: العبادة عبارة عن الخضوع و التذلل۔ (شامی ج: ۲ ص: ۵۹۷۔ مطلب فی الفرق بین العبادة و القربة و الطاعة من كتاب الحج۔ کراچی)۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۶۴۔ قدیم۔

التفسير للبيضاوي: ص: ۸۔ تحت آية: إياک نعبد و إياک نستعين۔

و أجاب فی الحلية عن وجوب السجود فی مسألة التفكر عمداً بأنه وجب لما يلزم منه من ترک واجب هو تأخير الركن أو الواجب عما قبلله فإنه نوع سهوٍ۔ (شامی ج: ۲ ص: ۸۰۔ باب سجود السهو، کراچی)۔

الدر المنتقى ج: ۱ ص: ۲۱۹۔ فقيه الأمت دیوبند۔

مراقی الفلاح على نور الايضاح مع حاشية الطحطاوی ص: ۴۶۲۔ دار الكتاب

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۳۲۱۔ زکریا دیوبند۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۹۱۔ سعید۔

الفقه الاسلامی و أدلته ج: ۲ ص: ۱۱۰۹۔ دار الفكر المعاصر۔

هذا إذا كان التفكر يمنعه عن التسبيح أما إذا كان يسبح أو يقرأ و يتفكر فلا سهو عليه۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۹۸۔ سعید)۔

قدر أداء ركن و هو مقدار ثلاث تسبيحات۔ (الفقه الاسلامی و أدلته جا: ۲ ص: ۱۰۲۱۔ دار الفكر المعاصر۔

ضم سورہ سے پہلے بسم اللہ اور ولاالضالین کے بعد آمین کہنے کا حکم

سوال: سوال یہ ہے کہ (۱) فرض نماز کی پہلی اور دوسری اور سنت ونوافلہ کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

کیا امام اور منفرد کے لئے ولاالضالین کے بعد آمین کہنا نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

(۱) نماز کی ہر رکعت میں خواہ فرض ہو یا نفل سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا سنت ہے۔ اور اسی پرفتویٰ ہے ضم سورہ سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا مکروہ نہیں جائز ہے۔ بلکہ اختلاف کے پیش نظر اس کا پڑھنا بہتر ہے۔

(۲) امام، مقتدی، اور منفرد کے لئے ولاالضالین کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔سنن صلاۃ صحت صلاۃ کے شرائط میں سے نہیں ہیں۔ فلیحفظ۔

الدلیل علی ما قلنا:

(فی المسئلۃ الأولیٰ)۔

(۱) عن ابن عباس، قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح صلاتہ بِ۔ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)۔ (سنن الترمذی ج: ۱ ص: ۵۷۔ فیصل)۔

(۲) ثم یأتی بالتسمیۃ ویخفیھا۔۔۔ ویأتی بھا فی أول کل رکعۃ وھو قول أبی یوسف۔ رحمہ اللہ۔ کذا فی المحیط وفی الحجۃ وعلیہ الفتویٰ۔ (ھکذا فی)۔

ھکذا فی الوقایۃ والنقایۃ وھو الصحیح۔ ھکذا فی البدائع والجوھرۃ النیرۃ۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج: ۱ ص: ۷۴۔ رشیدیہ۔

الدر المختار مع الامی ج: ۱ ص: ۴۹۰۔ کراچی۔

شرح المنیۃ ص: ۳۰۸۔ لاھور۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۱۳۔ سعید۔

النھر الفائق ج: ۱ ص: ۲۱۰۔ زکریا دیوبند۔

مجمع الأنھر ج: ۱ ص: ۱۴۳۔ فقیہ الأمت۔

منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۱۳۔ سعید۔

مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص: ۲۶۰۔ دار الکتاب دیوبند۔

(۳) ولا خلاف أنہ لو سمی کان حسناً۔

(النھر الفائق ج: ۱ ص: ۲۱۱۔ زکریا دیوبند)۔

حاشیۃ الطحطاوی مع المراقی ص: ۲۶۰۔ دار الکتاب دیوبند۔

فی المسئلۃ الثانیۃ۔

(۱) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال: إذا قال الإمام (غیر المغضوب علیھم ولا الضالین)۔

فقولوا: آمین۔ فإنہ من وافق قولہ قول الملائکۃ۔ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔

(الصحیح للبخاری ج: ۱ ص: ۱۰۸۔ باب جھر المأموم بالتأمین۔

(سنن أبی داؤد) ج: ۱ ص: ۱۳۵۔ باب التأمین وراء الامام۔

(سنن الترمذی) ج: ۱ ص: ۵۸۔ باب فضل التأمین۔

(۲) إذا قال الإمام فی آخرھا "ولا الضالین" یقول أی الإمام: آمین: والمؤتم أیضاً یقولھا۔ والتأمین سنۃ لقولہ۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ إذا أمن الإمام فأمنوا۔ الخ۔

(شرح المنیۃ ص: ۳۰۹۔ لاھور)۔

(الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۴۹۲۔ کراچی۔

مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص: ۲۶۰۔ دار الکتاب دیوبند۔

البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۱۳۔ سعید۔

(۳) ترک السنة لایوجب فساداً و لا سهواً بل إساءة لو عامداً غیر مستخف۔ وقالوا الإساءة أدون من الکراهة۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۴۷۳۔ مطلب۔ (سنن الصلاة۔ کراچی)۔

(حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۲۵۶۔ دار الکتاب دیوبند۔ فصل فی بیان السنة۔

سنت فجر اگر چھوٹ جائے تو اُسے کب ادا کیا جائے؟

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی فرض نماز کے بعد سنت فجر کو طلوع شمس سے پہلے ادا کی جاسکتی ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

فجر کی فرض نماز کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کسی قسم کی نقیل نفل نماز پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ خواہ فجر کی سنت ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ وقت نکلنے کے بعد فجر کی سنت کی حیثیت نفل کی ہوجاتی ہے۔ اور نفل نماز اس وقت حضرات حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هریرة۔ رضی اللہ عنه۔ أن رسول اللہ۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ نهی عن الصلاة بعد العصر، وعن الصلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس۔ (المؤطا للإمام مالک: ص: ۱۲۷۔ باب النهی عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر۔ بیروت)۔

وأما إذا فاتت وحدها۔ فلا تقضی سنة الفجر قبل طلوع الشمس بالإجماع، لکراهة التنفل بعد الصبح۔ (شامی ج: ۲ ص: ۷۴۔ سعید)۔

(۴) فلا قضاء لها قبل طلوع الشمس۔ (شرنبلالیة ص: ۴۵۳۔ دار الکتاب دیوبند)۔

سنت فجر کب تک ادا کی جاسکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام فجر کی سنت فرض نماز شروع ہونے کے بعد پڑھ سکتے ہیں؟ اور کیا سنت فجر فرض نماز کے بعد ادا کی جاسکتی ہے۔ براہِ کرم جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد سنت ونوافل کا پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سنت فجر کے بارے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ (۱) اس لئے حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر جماعت ملنے کی امید ہو تو تخفیف کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے۔ سنت فجر کی قضاء نہیں ہے، (۲) لیکن اگر فجر کی فرض نماز بھی چھوٹ جائے، اور زوال سے پہلے اس کو ادا کیا جائے، تو سنت کو فرض کے تابع بنا کر اس کی بھی قضا کی جائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنها۔ عن النبی۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیها۔ (الصحیح لمسلم ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ بلال)۔

(۲) عن أبی هریرة رضی اللہ عنه۔ أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: إذا اقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المکتوبة۔ (السنن الکبری للبیهقی ج: ۲ ص: ۴۸۳۔ دار الفکر)

(۲) ولا یقضیها إلا بطریق التبعیة، أی لا یقضی سنة الفجر، إلا إذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعاً لقضائه لو قبل الزوال۔ (شامی ج: ۲ ص: ۵۷۔ کراچی)۔

(۴) هکذا فی: البحر الرائق ج: ۲ ص: ۷۳۔ سعید۔

(۵) تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۱۸۲۔ امدادیه ملتان۔

(۶) ملتقی الأبحر ج: ۱ ص: ۱۲۵۔ مؤسسة الرسالة۔

(۷) مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۱۰۲۔ فقیه الأمة۔

(۸) مراقی الفلاح علی نور الإیضاح مع حاشیة الطحطاوی ص: ۴۵۲۔ دار الکتاب۔

کروناوائرس کے خوف سے مسجد میں جماعت اور جمعہ بند کر دینا کیسا ہے؟

سوال: کروناوائرس کے خوف سے اپنی مسجدوں میں جماعت اور جمعہ موقوف کر دینا اور گھروں میں نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ یہ سوال اس وقت شہروں میں گردش کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں مفتیان کرام رہنمائی فرمائیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شریعت مطہرہ میں یہ بھی باجماعت نماز نہ پڑھنے کا عذر ہے کہ کسی شخص میں ایسی بیماری ہو جس سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہو۔(۱) یا جس سے تلویث مسجد کا خطرہ ہو۔ ایسے آدمی کو مسجد میں آنے سے روکنے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص واقعۃً کروناوائرس کا مریض ہو تو وہ مسجد نہ آئے۔ بلکہ ایسے شخص کو مسجد آنے سے روکا جاسکتا ہے۔ لیکن جن لوگوں میں یہ وائرس نہ ہو ان کو مسجد سے روکنا شرعاً درست نہیں ہے۔ صرف وہم کی بنیاد پر مسجد کو مقفل کر دینا۔

"ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ اَن یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا" کے زمرہ میں داخل ہے۔ باقی احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ ذہن میں رہے۔ "قل لن یصیبنا اِلا ما کتب اللہ لنا" نیز "لا عدوی ولا طیرۃ فی الاسلام"۔ وبائی امراض ماضی میں بھی آئے ہیں لیکن جو رویہ عالم اسلام کا بالخصوص حال میں دیکھا جارہا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بلکہ قاضی عبد الرحمن القرشی الشافعی نے اپنی کتاب "شفاء القلب المحزون فیما یتعلق بالطاعون" میں اپنے زمانہ کے طاعون ۷۶۴ھ کے متعلق لکھا ہے کہ جب طاعون پھیل گیا اور

لوگوں کی موت ہونے لگی تو لوگوں نے تہجد، روزے، صدقے، توبہ اور استغفار کی کثرت شروع کر دی۔ اور ہم مردوں، بچوں عورتوں نے گھر چھوڑ دیا اور مسجدوں کو لازم پکڑ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے خصوصی فضل کا معاملہ فرمایا۔(۲)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وعن جابر رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ من أکل من هذه الشجر المنتنة، فلا یقربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس۔ (متفق علیه)۔ مشکاة المصابیح ج: ۱ ص: ۶۹۔ مکتبة ملت۔

(قوله وأکل نحو ثوم) أی کبصل ونحوه مماله رائحة کریهة للحدیث الصحیح فی النهی عن قربان آکل الثوم والبصل المسجد۔ قال الإمام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری قلت: علة النهی أذی الملائکة وأذی المسلمین ولا یختص بمسجده۔ علیه الصلاة والسلام۔ بل الکل سواء لروایة مساجدنا بالجمع۔ خلافاً لمن شذ ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریهة مأکولا أو غیره وإنما خص الثوم هنا بالذکر وفی غیره ایضا بالبصل والکراهة لکثرة أکلهم لها۔ وکذلک الحق بعضهم بذلک من بفیه بخر أو به جرح له رائحة۔ وکذلک القصاب والسماک والمجذوم والأبرص أولی بالإلحاق۔ (الشامی مع الدر ج: ۱ ص: ۶۶۱۔ کراچی)

ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ عام لکل من خرب مسجداً أو سعی فی تعطیل مکان مرشح للصلاة۔ (التفسیر للبیضاوی ج: ۱ ص: ۱۰۱۔ تحت تفسیر آیة: ۱۱۴ من سورة البقرة)۔

(۲) وکان هذا کالطاعون الأول۔ عم البلاد۔ وأفنی العباد، وکان الناس به علی خیر عظیم، من إحیاء اللیل، وصوم النهار، والصدقة والتوبة۔ فهجرنا البیوت ولزمنا المساجد رجالنا۔ وأطفالنا۔ ونسائنا، وکأن الناس به علی خیر۔ (شفاء

القلب الماحزون فیمایتلعق بالطاعون۔متحدثاعن طاعون ۸۶۴ھ۔مخطوط)
کفایۃ المفتی ج:۳ص:۱۳۸۔دار الاشاعت۔

عذر کے پیش نظر دو مصلی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال: (انڈمان) یہاں حکومت نے سختی کے ساتھ کہا ہے کہ مسجدوں میں ہر دو نمازی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ کیا جائے ورنہ مسجد بند کر دی جائے گی۔ابھی ظہر میں کئی مسجدوں میں ایسے ہی نماز ہوئی ہے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ایک میٹر کا فاصلہ کیا جائے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔۔۔۔شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں صفیں سیدھی کرنے اور درمیانی خلل کو بھرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔اور اس کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔لیکن اگر بیماری سے بچاؤ کے لئے حکومت کی طرف سے پابند کیا جائے کہ دو مصلی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔جبکہ ماہرین اطباء کا بھی کہنا کہ کرونا وائرس سے بچنے کے لئے ایک دوسرے سے کچھ دوری بنائے رکھنا ضروری ہے لہٰذا مذکورہ فاصلہ کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔نماز ہو جائے گی۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن کثیر بن مرۃ۔عن عبد اللہ بن عمر۔أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔قال: من وصل صفاً وصلہ اللہ۔ومن قطع قطعہ اللہ عز وجل۔(سنن النسائی ج:۱ ص:۹۳۔بلال دیوبند)۔

(۲) عن عبد اللہ بن عمر۔قال قتیبۃ: عن أبی الزاهریۃ، عن أبی شجرۃ۔لم یذکر ابن عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔قال: أقیموا الصفوف وحاذوا بین

المناکب وسدوا لخلال ولینوا بأیدی إخوانکم۔لم یقل عیسیٰ بأیدی إخوانکم۔ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفاً وصلہ اللہ۔ومن قطع صفاً قطعہ اللہ۔(سنن أبی داؤد باب تسویۃ الصفوف۔رقم الحدیث ص:۶۶۶)۔

عن عمرو بن الشرید۔عن أبیہ، قال: کان فی وفد ثقیف رجل مجذوم۔فأرسل إلیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔إنا قد بایعناک فارجع۔(مصنف ابن أبی شیبۃ۔باب من کان یتقی المجذوم۔رقم الحدیث ص:۲۴۵۴۲)۔

عن النہاس بن قہم۔عن شیخ۔قال: سمعت أباہریرۃ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔فر من المجذوم فرارک من الأسد۔(المصدر السابق رقم الحدیث ص:۲۴۵۴۳)۔

(۵) (ویصف) أی یصفہم الإمام بأن یأمرہم بذلک۔قال الشمنی: وینبغی أن یأمرہم بأن یتراصوا ویسدوا الخلل۔ویسووا مناکبہم ویقف وسطاً۔(الدر المختار مع الشامی ج:۱ ص:۵۶۸)۔کراچی۔
درر الحکام شرح غرر الأحکام ج:۱ ص:۹۰۔قدیم۔
الدر المنتقی علی ہامش مجمع الأنہر ج:۱ ص:۱۵۱۔فقیہ الأمۃ۔
حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص:۳۰۶۔دار الکتاد یوبند۔
الفتاویٰ الہندیۃ ج:۱ ص:۱۴۶۔زکریا دیوبند۔

عذر کے پیش نظر جمعہ کے دن اگر ظہر کی نماز ادا کرنی ہو تو ظہر کی نماز الگ الگ ادا کرینگے یا جماعت کے ساتھ

سوال: کرونا وائرس کی وجہ سے جو لوگ ظہر کی نماز گھروں میں ادا کرینگے، وہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں یا الگ الگ؟ مدلل جوب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مجبوری کی وجہ سے ایسی جگہ یہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنی ہو جہاں جمعہ درست ہے وہاں ظہر کی نماز الگ الگ پڑھی جائے گی، جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) (وكره) تحريماً (لمعذور و مسجون) ومسافر (آداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وآفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع (وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة۔ وتحته فى الشامية (قوله فى مصر) بخلاف القرى لأنه لا جمعة عليهم فكان هذا اليوم فى الموضع صلوا الظهر بجماعة (قوله لتقليل الجماعة) لأن المعذور قد يقتدى به غيره فيؤدى۔ إلى تركها بحر وكذا إذا علم أنه يصلى بعدها بجماعة ربما يتركها ليصلى معه فافهم۔ (قوله و صورة المعارضة) لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۲ ص:۱۵۷ كراچى)۔

ولو حذف المصنف المعذور والمسجون لكان أولى فإن أداء الظهر: بجماعة مكروه يوم الجمعة مطلقاً قال فى الظهيريه۔ وكذا إذا فاتتهم الجمعة فى المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۱۶۲۔باب الجمعة)۔

بدائع الصنائع ج:۱ ص:۱۵۴۔باب بيان محل الآذان۔ كراچى۔

المحيط البرهانى ج:۲ ص:۹۲۔بيروت۔

الفقه الاسلامى وأدلته ج:۲ ص:۱۳۲۴۔دار الفكر المعاصر۔

الفتاوىٰ الهندية ج:۱ ص:۱۵۴۔رشيدياها۔

وبائی امراض میں مرنے والا کون شہید کہا جاسکتا ہے؟

سوال: کرونا یا کسی وبائی امراض میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وبائی امراض میں اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کو بھی شہید کا درجہ ملے گا۔ بشرطیکہ وہ مایوس نہ ہو۔ اور ذات پاک پر پوری طرح بھروسہ ہو۔ اور اس پر صبر کرے۔ لیکن یہ اخروی اعتبار سے ہے۔ دنیوی اعتبار سے اس پر بھی عام میت کا حکم نافذ ہوگا۔ یعنی اس کو غسل دیا جائے گا۔ کفن پہنایا جائے گا۔ نماز جنازہ پڑھی جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبى هريرة۔ قال: قال رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم (ماتعدون الشهيد فيكم؟) قالوا: يا رسول الله، من قتل فى سبيل الله فهو شهيد قال: (إن شهداء أمتى إذا لقليل) قالوا: فمن هم يا رسول الله؟ قال: (من قتل فى سبيل الله فهو شهيد۔ ومن مات فى سبايل الله فهو شهيد ومن مات فى الطاعون فهو شهيد، ومن مات فى البطن فهو شهيد)۔ قال ابن مقسم: أشهد على أبيك فى هذا الحديث أنه قال: (والغريق شهيد)۔ (الصحيح لمسلم) باب بيان الشهداء، رقم الحديث: ۱۹۱۵)۔

عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ قال: الشهداء خمسة: المطعون۔ والمبطون۔ والغرق۔ وصاحب الهدم۔ والشهيد فى سبيل الله۔ (الصحيح البخارى: باب الشهادة سبع سوى القتل۔ رقم الحديث ص:۲۵۵۸)۔

عن جابر بن عتيك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ الشهادة سبع سوى

القتل فی سبیل اللہ عز و جل: المطعون شہید۔ و المبطون شہید۔ و الغریق شہید۔
و صاحب الهدم شهيد و صاحب ذات الجنب شهيد۔
و صاحب الحرق شهيد۔ و المرأة تموت بجمع شهيدة۔
سنن النسائی: باب النہی عن البکاء علی المیت، رقم الحدیث: ۱۸۴۶۔

فلمرتت شهيد الآخرة وكذا الجنب ونحوه، ومن قصد العدو فأصاب نفسه والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون، والنفساء والميت ليلة الجمعة، وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو يطلب العلم۔ وقد عدهم السيوطی نحو الثلاثين۔ وتحته فی الشامية۔ (قوله: والمطعون) وكذا من مات فی زمن الطاعون بغيره إذا أقام فی بلده صابراً محتسباً فإن له أجر الشهيد كما فی حديث البخاری۔ وذكر الحافظ ابن حجر أنه لا يسأل فی قبره أجهوری۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۲۵۲) کراچی۔

وأما حكم الغسل فنقول الشهيد نوعان۔ نوع يغسل ونوع لا يغسل۔ أما الذی لا يغسل فهو الذی فی معنى شهداء أحد فيلحق بهم فی حق سقوط الغسل بالحديث الذی رويناه وإلا فيبقى على الأصل المعهود وهو أن الغسل سنة للموتى۔ (تحفة الفقهاء ج: ۱ ص:۲۵۸۔ بيروت)۔

کرونا میں مرنے والے کے غسل دینے کا کیا طریقہ ہے؟

سوال: کرونا وائرس کی وجہ سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو کس طرح غسل دیا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

میت کو غسل دینا واجب ہے، کیونکہ انسان کے بدن سے روح نکلانے کی وجہ سے ایک قسم کی نجاست اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کے بدن پر ظاہری نجاست ہو یا نہ ہو۔ کرونا

وائرس کی وجہ سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے غسل کا انتظام بھی کیا جائے گا۔ اور اگر حکومت یا ماہر اطباء کی طرف سے اس کے جسم کے کپڑے اتارنا، یا ہاتھ لگانا منع ہو تو ہاتھ میں کوئی خرقہ کپڑا وغیرہ لے کر اس کو پانی میں بھیگا کر اس کے جسم پر مسح کیا جائے۔ جیسا کہ زخمی جگہوں پر مسح کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو تیمم کی صورت اختیار کی جائے۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والفرض قد سقط بالنية عند الإخراج۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۶۹۔ دار الكتاب ديوبند)۔

لأن غسله ما وجب لرفع الحدث، بل لتطهره عن تنجسه بالموت۔ (الدر المنتقی ج: ۱ ص: ۲۶۶۔ فقيه الأمة۔ ديوبند)۔

مستفاد من: أن المسح علی الجبائر واجب عند تعذر الغسل وإنما يسقط إذا كان المسح۔ يضره لما روينا من الحديث أن النبی عليه السلام۔ أمر بالمسح على الجبائر۔ وظاهر الأمر لوجوب العمل إلا أنه إذا كان۔ لخاف الضرر فی المسح يسقط لأن الغسل يسقط عند خوف زيادة الضرر فالمسح أولىٰ أن يسقط۔ (تحفة الفقهاء ج: ۱ ص: ۹۱۔ باب المسح)۔

تکبیر کہنے کے وقت اِدھر اُدھر جا کر جگہیں پر کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص تکبیر کہہ رہا ہے اور دوران تکبیر یعنی تکبیر کہتے ہوئے وہ ادھر اُدھر کو ہو کر جگہ کو پر کرتا ہے تو کیا اس طرح کر سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بلا عذر اقامت کے وقت چلنا، یا ادھر ادھر کرنا مناسب نہیں ہے۔ چونکہ اس کی وجہ سے

اقامت کے چند سنن و مستحبات میں خلل پیدا ہوتا ہے جیسے استقبال قبلہ۔حیعلتین میں سر کو دائیں بائیں گھمانا وغیرہ۔لیکن اگر صفیں سیدھی کرنی ہو، یا درمیانی خلل بھرنا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ چونکہ اس کے متعلق احادیث مبارکہ میں بہت تاکید آئی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله عز وجل۔(سنن النسائی ج: ۱ ص: ۹۱)۔باب من وصل صفاً۔(سنن أبی داؤد: باب تسویة الصفوف۔رقم الحدیث: ۶۶۲)۔

قال الشمنی: وینبغی أن یأمرهم بأن یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبهم ویقف وسطاً۔(الدر المختار مع الشامی۔ج: ۱ ص: ۵۶۸۔کراچی)۔

(الدر المنتقی: ج: ۱ ص: ۱۶۵۔فقیه الأمة۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۳۰۶۔دار الکتاب دیوبند۔

الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۱۴۶۔زکریا دیوبند۔

قال: رحمه الله۔ ویستقبل بهما القبلة۔ لأن بلالاً کان یؤذن ویقیم مستقبل القبلة والملک النازل أذّن وأقام کذلک۔ ولأنهما مشتملان علی الثناء وأحسن أحوال الذاکرین استقبال القبلة ولو ترک الاستقبال جاز لحصول المقصود وهو الاعلام ویکره لترکه المتوارث۔

تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۹۱۔بیروت۔

الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۳۸۹۔کراچی۔

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۱۷۴۔زکریا دیوبند۔

الجوهرة النیرة: ج: ۱ ص: ۵۴۔کراچی۔

درر الحکام شارح غرر الأحکام ج: ۱ ص: ۵۶۔قدیم۔

مسجد بند ہونے کی صورت جمعہ کے دن کونسی نماز پڑھی جائے؟

سوال: ہمارے یہاں مسجد پر تالا لگا دیا گیا۔تو ابھی جمعہ کے دن کونسی نماز پڑھنی ہوگی؟ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز ہی پڑھنی ہوگی۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی

الجواب: حامداً و مصلیاً: والله الموفق بالصواب

بلا وجہ شرعی مسجد کو مقفل کر دینا شرعاً درست نہیں ہے۔البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہو تو امر آخر ہے، موجودہ صورت حال میں نمازیوں کی تخفیف و تقلیل ایک مجبوری ہے۔جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں محلے کے لوگوں کو چاہئے کہ چند لوگ ایک ساتھ جمع ہو کر کہیں بھی جمعہ ادا کریں۔صرف تین آدمی کا ہونا جماعت صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔نیز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔حضرت امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک جہاں جمعہ درست ہے۔وہاں مختلف جگہوں پہ جماعت ہو سکتی ہے اور اگر شرائط موجود نہ ہوں تو ظہر کی نماز ادا کریں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) "والسادس" "الجماعة" لأن الجمعة مشتقة منها ولأن العلماء أجمعوا علی أنها لا تصح من المنفرد۔"و" واختلفوا فی تقدیر الجماعة فعندنا هم ثلاثة رجال۔(مراقی الفلاح علی نور الإیضاح مع حاشیة الطحطاوی ص: ۵۱۱۔دار الکتاب)۔

بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۲۶۲۔کراچی۔

تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۲۲۰۔بیروت۔

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۳۶۰۔زکریا۔

یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد۔

وهو الأصح لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجاً بيناً، وهو مدفوع۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۱۵۴)۔

الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ج: ۲ ص: ۱۴۴۔

الفقه الاسلامي وأدلته ج: ۲ ص: ۱۳۰۲۔ دار الفكر المعاصر۔

الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۴۵۔ رشيدية۔

امام اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت بھی پڑھ لے مقتدی کو کیا کرنا چاہئے؟

سوال: اگر امام قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پانچویں رکعت کے لئے بھولے سے کھڑا ہو جائے اور مقتدی بغیر لقمہ دیئے بیٹھے انتظار کرتے رہیں اور پانچویں رکعت میں امام کی اقتدا نہیں کی۔ پھر امام نے پانچویں رکعت مکمل کر کے سجدہ سہو کر لیا سب نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، کیا مقتدیوں کی نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں لقمہ دینا مقتدیوں پر ضروری تھا۔ تاکہ وہ لوٹ آئے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے تک مقتدیوں کو انتظار کرنا ہے۔ اور جب پانچویں رکعت کا امام سجدہ کر لے۔ تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ الگ سے سلام پھیر دیں، اور اگر امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیریں ا۔تب بھی مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال في شرح المنية: ثم في القيام إلى الخامساة إن كان قعد على الرابعة وينتظره المقتدي قاعداً۔ فإن سلم من غير إعادة التشهد سلم المقتدي معه وإن قيد الخامسة ابسجدة سلم المقتدي وحده۔ وإن كان لم يقعد على الرابعة فإن

عاد تابعه المقتدي۔ وإن قايد الخامساة فسدت صلاتهم جميعاً ولا ينفع المقتدي تشهده وسلامه وحده۔ (شامی مع الدر المختار ج:۲ ص:۱۲) کراچی۔

ولو زاد الإمام سجدة أو قام بعد القعود الأخير ساهياً لا يتبعه المؤتم فيما ليس من صلاته بل يمكث فإن عاد قبل تقييده الزائدة بسجدة سلم معه وإن قيدها أي الإمام أي الركعة الزائدة بسجدة سلم۔ المقتدي وحده۔ ولا ينتظر لخروجه إلى غير صلاته۔ (مراقي مع الطحطاوي ص: ۳۱۰) دار الكتاب۔

چند افراد مل کر جمعہ کے دن مسجد کے علاوہ دوسری کسی جگہ پہ نماز جمعہ قائم کرنا

سوال: جمعہ کے دن موجودہ حالات میں (کرونا وائرس) اگر چند افراد مسجد کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کریں۔ تو اذن عام کی بات فقہاء نے لکھی ہے اس پر عمل کیسے ہوگا؟ اور کیا عورتیں بھی اس میں کر سکتی ہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نماز جمعہ شعائر اسلام اور خصائص دین میں سے ہے، جیسے شہر یا فنا شہر میں اذن عام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اور حضرات فقہاء نے اذن عام کو صحت جمعہ کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ موجودہ حالات میں اگر احتیاطی تدابیر کرتے ہوئے صرف چند فراد جمعہ کی نماز گھر میں ادا کریں۔ اور باقی لوگوں کو آنے روک دیا جائے۔ تو اس میں صورۃ اذن عام نہ پائے جانے کے باوجود حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق جمعہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر دشمن یا چور کے خوف کی وجہ سے دروازہ بند کر دیا جائے۔ تو یہ اذن عام کے خلاف نہیں ہے۔ (۱)

عورتوں پر جمعہ کیا نماز واجب نہیں ہے۔ اگر وہ شریعت کے حدود میں رہ کر تمام شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ (۲)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عمرو بن شدید، عن أبیه، قال: کان فی وفد ثقیف راجل مجوم۔ فأرسل إلیه النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ إنا قد بایعناک فارجع۔ (مسند ابن ابی شیبة باب من یتقی المجذوم رقم الحدیث ص: ۹۰۹)۔

قال رحمه الله (والإذن العام) أی من شرط أدائها أن یأذن الإمام للناس إذنا عاماً حتی لو غلق باب قصره وصلی بأصحابه لم یجز۔ لأنها من شعائر الاسلام وخصائص الدین فتجب إقامتها علی سبیل الاشهار۔ (تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۲۲۱)۔بیروت۔

فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قدیمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وعلقة لمنع العدو لا المصلی۔ نعم لو لم یغلق لکان أحسن کما فی مجمع الأنهر معزیاً لشرح عیون لمذاهب قال: وهذا أولی مما فی البحر والمنح فلیحفظ۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۱۵۲۔ کراچی)۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۱۱۔دار الکتاب۔

(۲) ولا تجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة ولا مریض ولا عبد ولا أعمی لأن المسافر یحرج فی الحضور وکذا المریض والأعمی والعبد مشغول بخدمة المولی والمرأة بخدمة الزوج فعذروا رفعا للحرج والضرر فإن حضروا وصلوا مع الناس أجزاهم عن فرض الوقف لأنهم تحملوه فصاروا کالمسافر إذا صام۔

(هدایه ج: ۱ ص: ۱۶۹۔دار الکتاب دیوبند)۔

اذان کے بعد اپنے گھر نماز پڑھنے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد ہے جو مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ضلع کے اعتبار سے حکومت کی نگاہ میں اور عوام الناس

کے بھی نگاہ میں موجودہ حالات کے پیش نظر اس مسجد میں اذان تو ہو رہی ہے لیکن اس میں اذان کے بعد یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ گھر ہی پر نماز ادا کر لیں مسجد میں تشریف نہ لائیں۔ اعلان کی وجہ یہ ہے کہ لوگ زیادہ تعداد میں آرہے تھے اب اعلان کی وجہ سے کچھ کمی آئی ہے۔ تو کیا ایسا اعلان کرنا موجودہ دور میں درست نہیں ہے؟ یا اس سے شرعی اعتبار سے کوئی خرابی لازم آرہی ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و اللّٰہ الموفق بالصواب

حالات حاضرہ میں وبائی امراض کے پیش نظر عالم اسلام نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی نظیر کسی صدی میں نہیں ملتی، چونکہ وبائی امراض کا پھیل جانا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ پہلے زمانے میں لوگ عمومی وبائی بیماری سے بچنے کے لئے مساجد کی طرف رکوع کیا کرتے تھے۔ لیکن احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت مطہرہ کے خلاف نہیں ہے۔ حالات حاضرہ میں اگر حکومت کی طرف سے پابندی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے تو اس کی پابندی کرنی چاہئے۔ ماہر اطباء کی رائے میں یہ ضروری بھی ہے۔ لہٰذا اگر اذان کے بعد مائک سے گھر میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چونکہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے در مبارک میں بھی کبھی کسی عذر کے پیش نظر یہ اعلان کیا جانا ثابت ہے۔ (۱) صلوا فی رحالکم۔ لیکن اگر بار بار اعلان کے بجائے پنج وقتہ نمازیوں کو ایک بار اس کی ہدایت دیدی جائے تو بار بار اعلان سے بہتر ہے اور یہ روح شریعت کے مطابق بھی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) حدثنا شریک، وهشیم، عن یعلی بن عطاءٍ عن عمرو بن الشرید، عن أبیه، قال کان فی وفد ثقیف رجل مجذوم۔ فأرسل الیه النبی صلی الله علیه وسلم: إنا قد بایعناک فارجع۔

(مصنف ابن أبی شیبة: باب من کان یتقی المجذوم رقم الحدیث: ۲۴۵۴۲)

عن ابن عمر، أنه نادی بالصلاة فی لیلة ذات برد وریح ومطر، فقال فی آخر ندائه: ألا صلوا فی رحالکم، ألا صلوا فی الرجال۔ ثم قال: إن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یأمر المؤذن، إذا کانت لیلة باردة، أو ذات مطر فی السفر، أن یقول۔ ألا صلوا فی رحالکم۔ (الصحیح لمسلم۔ باب الصلوٰۃ فی الرحال فی المطر۔ رقم الحدیث: ۶۹۷۔)

(صلوا فی الرحال) أی فی البیوت والمنازل ۔ قال الطیبی: أی: الدور والمساکن، رحل لرجل منزله ومسکنه، ثم قال: إن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یأمر المؤذن إذا کانت أی: وقعت (لیلة) بالرفع (ذات برد) صفتها: أی صاحبه برد شدید و(مطر) أی کثیر، وفی روایة للشافعی زیادة وریح۔ یقول (آلا صلوا) أمر إباحة۔ (فی الرجال) للعذر۔ (مرقاة المفاتیح ج:۳ ص:۸۳۴۔ دار الفکر۔ بیروت)۔

وکان هذا کالطاعون الأول: عم البلاد، وافتی العباد، وکان الناس به علی خیر عظیم، من إحیاء اللیل، وصول النهار، والصدقة والتوبة فهجرنا البیوت ولزمنا المساجد، رجالن، وأطفالنا، ونسائنا۔ مکأن الناس به علی خیر۔ (شفاء القلب المحزون فیما یتعلق بالطاعون و(۷۸۰ھ) متحدثا عن طاعون (۷۶۴ھ) مخطوط)۔

(۳) وفی شرح المنیة الأشبه أن صوتها لیس بعورة۔ وإنما یؤدی إلی الفتنة کما علل به صاحب الهدایة وغیره فی مسألة التلبیة ولعلّهن إنما مُنعن من رفع الصوت بالتسبیح فی الصلاة لهذا المعنی ولا یلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن یکون عورة کما قد مناه۔ (البحر الرائق ج:۱ ص:۲۸۵۔ دار الکتاب الاسلامی)۔

(۴) اختلف العلماء فی صوت المرأة فقال بعضهم إنه لیس بعورة۔ لأن نساء النبی کن یروین الأخبار للرجال۔ وقال بعضهم إن صوتها عورة وهی منهیة عن رفعه بالکلام بحیث یسمع ذلک الأجانب إذا کان صوتها أقرب إلی الفتنة من صوت خلخالها۔ وقد قال اللہ تعالیٰ۔ (ولا یضربن بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن)۔

فقد نهی اللہ تعالیٰ عن استماع صوت خلخالها۔ لأنه یدل علی زینتها فحرمة رفع صوتها أولیٰ من ذلک۔ ولذلک کره الفقهاء أذان المرأة لأنه یحتاج فیه إلی رفع الصوت۔ (الفقه المذاهب الأربعة ج:۵ ص:۵۳۔ کتاب الحدود۔ دار الکتاب العلمیة بیروت)۔

(۵) والتصفیق للنساء قال فی تاج المصادر: التصفیق فی الحدیث مأخوذ من صفق إحدی الیدین علی الأخری۔ لا ببطونهما۔ ولکن بظهور أصابع الیمنی علی الراحة من الید الیسری۔ (مرقاة المفاتیح ج:۲ ص:۷۸۵۔ دار الفکر۔ بیروت)۔

گھر پر میاں بیوی اور ماں ایک ساتھ جماعت میں نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے

سوال: شوہر امام ہے اس کے لڑکے اس کے پیچھے صف میں ہیں بچوں کی ماں یعنی امام کی بیوی کو لڑکوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے لیکن جہاں نماز پڑھنی ہے وہاں جگہ کی تنگی ہے عورتوں کی صف نہیں بن سکتی تو کیا اس صورت میں بچوں کی ماں پہلی صف میں اپنے لڑکوں کے ساتھ کھڑی ہوسکتی ہے؟ کیا اس کی اجازت ہے؟ اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟ امید ہے کہ جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دینگے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

نماز میں صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے مرد اور اس کے بعد بچے اور سب سے آخیر میں عورتیں کھڑی ہوں، صورت مسؤلہ میں جب جگہ کی تنگی ہے تو بیچ میں ایک پردہ کا نظم کر لیں چونکہ اس مسئلہ میں محارم بھی اجنبی کے حکم میں ہیں۔ اس لئے اپنے لڑکوں کے پیچھے اس طرح کھڑی ہوں کہ اپنا کوئی عضوا پنے لڑکے کے عضو سے نہ مل سکے۔ اور اگر ملنے کا خطرہ ہو تو کشادہ جگہ کا انتظام کر لیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اپنی نماز الگ پڑھیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خیر صفوف الرجال أوّلها۔ وشرها آخرها۔ وخیر صفوف النساء آخرها۔ وشرها أولها۔ (الصحیح لمسلم: باب خیر الصفوف رقم الحدیث: ۴۴۰)۔

(۲) قوله ویصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء لقوله علیه الصلاة والسلام۔ لیلینی منکم أولو الأحلام والنهی۔ ولأن المحاذاة مفسدة فیؤخرون۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۷۴۔ دار الکتاب الاسلامی۔

رمضان میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر تراویح کی نماز میں عورتیں بھی شامل ہوں تو وتر کی نماز بھی امام کے ساتھ باجماعت ادا کرینگی؟ یا الگ الگ پڑھینگی امید کہ جواب دیکر ممنون ومشکور ہوں گے۔

الجواب: وباللہ التوفیق

اگر عورتوں کو شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے تراویح کی نماز میں امام کے پیچھے اقتداء کرنے کا موقعہ مل جائے، تو اگر کوئی عذر نہ ہو تو وتر کی نماز بھی امام کی اقتدا میں پڑھ سکتی ہیں، جس طرح عورتوں کے لئے تراویح میں مرد امام کی اقتدا درست ہے اسی طرح وتر کی نماز میں بھی اقتدا درست ہے، لیکن اگر تنہا پڑھنا چاہیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وقوله: (ولا یصلی الوتر بجماعة) ظاهر، وأما الوتر بجماعة فی رمضان فهو افضل، لان عمر کان یومهم فی الوتر وذکر أبو علی النسفی أن علماءنا اختاروا أن یوتر فی رمضان فی منزله ولا یوتر بجماعة، لان الصحابة۔ رضی الله عنهم لم یجتمعوا علی الوتر بجماعة فی رمضان کاجتماعهم علی التراویح، فإن أبی بن کعب۔ رضی الله عنه۔ ما کان یومهم فیها۔ (العنایة شرح الهدایة: ج: ۱ ص: ۴۶۹۔ دار الفکر)۔

(۲) وصلاته ای الوتر مع الجماعة رمضان أفضل من ادائه منفرداً أخر اللیل فی اختیار قاضی خان قال: قاضی خان رحمه الله۔ هو الصحیح۔ لأنه لما جازت الجماعة کان أفضل ولأن عمر رضی الله عنه کان یؤمهم فی الوتر "وصححه" أی غیر قاضی خان" خلافه" قال فی النهایة۔ حکایة هذا واختار علمائنا أن یوتر فی منزله لا بجماعة لعدم اجتماع الصحابة علی الوتر بجماعة فی رمضان لأن عمر رضی الله تعالیٰ عنه کان یؤمهم فیه وأبی بن کعب کان لا یؤمهم۔ وفی الفتح او البرهان ما یفید أن قول قاضی خان أرجح لأنه صلی الله علیه وسلم أوتر بهم فیه ثم بین عذر الترک وهو خشیة أن یکتب علینا قیام رمضان وکذا الخلفاء الراشدون صلوه بالجماعة۔ (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ص: ۳۸۶)۔ دار الکتاب دیوبند۔

کتاب الصوم

کب ایک جگہ کی رؤیت ہلال دوسری جگہ میں معتبر ہوگی

سوال: ہندوستان پاکستان بنگلہ دیش کا مطلع علماء محققین کے نزدیک ایک ہے تو کیا ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ معتبر ہوگی؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مطلع ایک ہوتو ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ میں بھی معتبر ہوگی بشرطیکہ وہاں کی رویت شہادت شرعی سے ثابت ہواوراس کوتسلیم کرنے سے یہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحیح من المذهب۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔

(۲) بطریق موجب کأن یحتمل إثنان الشهادة علی حکم القاضی۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۴۔ کراچی)۔

(۳) و کذافی حاشیة الطحطاوی ج:۱ ص:۶۵۲۔(زکریا)۔

(۴) و کذافی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔(زکریا)۔

(۵) و کذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۲ ص:۳۵۵۔(زکریا)۔

اعلان کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

سوال: اگر کسی خطہ میں رویت متحقق ہوجائے تو کیا عام مسلمانوں کے لئے اس پر عمل کی اجازت ہے یا مقامی قاضی یا دارالقضاء کے فیصلہ کا پابند ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایسی صورت میں مقامی قاضی یا دارالقضاء کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہے، ہر ایک کسی کو اعلان کرنے کا حق نہیں ہے، اس سے عوام الناس میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) لأن قضاء القاضی حجة وقد شهدوا به لالو شهدوا برؤیة غیرهم لأنه حکایة۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۰ کراچی)۔

(۲) ولو کان ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلین وفی الشامیة والظاهر أن المراد به الوجوب۔ (شامی ج:۲ ص:۳۸۶۔ کراچی)۔

(۳) و کذافی التاتارخانیة ج:۲ ص:۳۵۵۔(زکریا)۔

(۴) و کذافی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔(زکریا)۔

کیا فلکیاتی حساب شریعت میں معتبر ہے؟

سوال: اگر کسی خطہ میں فلکیاتی حساب سے قمری ماہ ۲۹ تاریخ کو رویت کا امکان نہ ہو لیکن اس خطہ میں رویت ہلال کی شرعی شہادت ملتی ہوتو کیا اسے قبول کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاند کے ثبوت کے لئے ملکیاتی حساب کو شرعاً معیار نہیں بنانا چاہئے چاند کے ثبوت کا دار ومدار رؤیت بصری پر ہے، صورت مسئولہ میں شرعی شہادت کی وجہ سے اسے قبول کیا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن ابن عمر (رضی الله عنه) قال قال النبی صلی الله علیه وسلم الشهر تسع وعشرون فلاتصوموا حتی تروه ولا تفطروا حتی تروه۔ فإن غم علیکم فاقدروا له ثلاثین۔ (أبوداؤد ج:۱ ص:۳۱۷)۔ والترمذی ج:۱ ص:۱۴۷۔

(۲) لا عبرة بقول المؤقتین أي فی وجوب الصوم۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔

کراچی)۔

(۳) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۲ ص:۳۵۵۔ (زکریا)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔ (زکریا)۔

رؤیت ہلال میں محکمہ موسمیات کی مدد لینا کیسا ہے؟

سوال: کیا چاند کی رویت کے لئے محکمہ موسمیات کی مدد لی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کا دارومدار رؤیت بصری پر رکھا ہے حتی کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو تم مہینہ کو ۳۰ پورا کرو۔ اور محکمہ موسمیات سے جو بات کہتے ہیں وہ اندازہ کے طور پر ہوتی ہے کیونکہ اہل حساب کے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رویت ہلال کو کسی حساب سے اس طرح محفوظ کرنا ممکن نہیں ہے کہ چاند یقینی طور پر دکھائی دے گا یا نہیں۔

اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ لوگ صرف امکان رویت کا دعویٰ کرتے ہیں نہ کہ رویت کا، اور امکان رویت سے رویت کا تحقق لازم نہیں آتا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنا أمة لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا یعنی مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين۔
(ترمذی ج:۱ ص:۱۴۸۔ نسائی ج:۱ ص:۳۰۱۔ بخاری ج:۱ ص:۲۵۶۔ مسلم ج:۱ ص:۳۴۷۔ أبوداؤد ج:۱ ص:۳۱۸)۔ النسخ الهندية۔

(۲) إن الشرط فی وجوب الصوم الرؤية لا یؤخذ بقولهم۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۳۸۷۔ کراچی)۔

(۳) قال ابن العربی وقد زل بعض أصحاب الشافعی أنه قال یُعَوَّل علی الحساب

وهی عشرة۔ (تفسیر قرطبی ج:۲ ص:۲۹۴)۔

(۴) وکذافی المنهل العذب المورود ج:۹ ص:۳۷۔

(۵) وکذافی الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید۔ ج:۲ ص:۴۲۴۔

مطلع صاف نہ ہونے کی کئی صورتیں

سوال: مطلع صاف نہ ہونے میں کن امور کا دخل ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

مطلع صاف نہ ہونے میں جن چیزوں کا دخل ہے وہ یہ ہیں بادل، دھول، دھواں، دھند وغیرہ۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وإن کانت بالسماء علة والعلة غیم أو غبار فی المطلع أو نحوه نحو الدخان والضباب۔ (البنایة ج:۳ ص:۶۲۵۔ دار الفکر)۔

(۲) ولفظ للصوم مع علة کغیم وغبار۔ (شامی ج:۲ ص:۳۸۵۔ کراچی)۔

(۳) عن نافع کان ابن عمر ع إذا کان شعبان تسعاً وعشرين نظر له فان روی فذاک ولم یروه ولم یحل دون منظره سحاب ولا قتره أصبح صائماً۔ (ابوداؤد ج:۱ ص۳۱۷ بلال)۔

(۴) وکذافی فتح القدیر ج:۲ ص:۲۵۱۔ (دار إحیاء التراث)۔

(۵) وکذافی الفقه علی المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۴۲۴۔

ایک شخص کی شہادت کی بنیاد پر رمضان کے آغاز کا اعلان کرنے کا حکم

سوال: اگر ۲۹ شعبان کو مطلع ابر آلودہ ہو اور قاضی ایک شخص کی شہادت کی بنیاد پر رمضان کے آغاز کا اعلان کر دے اور ۳۰ رمضان کو مطلع صاف ہونے کے باوجود کہیں بھی چاند نظر میں نہ آئے تو اگلے دن روزہ رکھیں یا عید کی نماز پڑھیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگلے دن بھی روزہ رکھیں اور یہی زیادہ احتیاط ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وإذا صاموا بشهادة الواحد واكملوا ثلاثين يوماً ولم يروا هلال شوال لا يفطرون فيما روى الحسن عن أبى حنيفة للاحتياط۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۹۸ سعيد)۔

(۲) وإذا قبل شهادة الواحد فى روية هلال رمضان صاموا ثلاثين ولا يفطرون لا حتياط قال ابن كمال إذا لم ير الهلال ليلة الثلاثين۔ (فتح القدير ج: ۲ ص: ۲۵۱ ـ دار إحياء التراث۔

(۳) وكذافى البناية ج: ۳ ص: ۶۲۵ ـ (دار الفكر)۔

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں کتنے لوگوں کی شہادت ضروری ہے؟

سوال: رمضان وعیدین کے ثبوت کے لئے جب مطلع صاف ہو تو کتنے لوگوں کی

شہادت ضروری ہے؟

اور کیا مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مطلع صاف ہو تو رمضان وعیدین کو ثابت کرنے کے لئے ایک بڑی جماعت کی گواہی کی ضرورت ہے، بڑی جماعت کے بارے میں فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اتنی بڑی جماعت ہونی چاہئے جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے، اور مستور الحال کی شہادت کے بارے دو روایت ہے، کہ اس کی شہادت رمضان کا چاند دیکھنے میں قبول کی جائیگی یا نہیں، اصح روایت یہ ہے کہ اس کی شہادت بھی قبول کی جائیگی، البتہ عیدین کا چاند دیکھنے میں ایسے آدمی کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قبل بعلة خبر عدل ولو قنا أو أنثى لرمضان وحدين أو حدو حرتين للفطر وإلا مجمع عظيم أي وإن لم يكن بالسماء علة يشترط أن يكون فيها الشهود جمعاً كثيراً۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۶۹ ـ رشيدية)۔

(۲) وأما مستور الحال أنه لا تقبل شهادته وروى الحسن عند أبي حنيفة أنه تقبل شهادته وهو الصحيح كذافى المحيط۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۲۵۹ ـ سعيد)۔

(۳) وكذافى الفقه الاسلامى وأدلته ج: ۳ ص: ۱۶۵۳ ـ (دار الفكر۔

(۴) وكذافى بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۲ ـ (زكريا)۔

(۵) وكذافى تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۳۲۰ ـ (امدادية)۔

چاند دیکھنے کا ایک مسئلہ

سوال: چاند دیکھنے والوں کے لئے قاضی کے پاس جا کر شہادت دینا ضروری

ہے؟اور چاند دیکھنے والے چاند دیکھنے کی خبر دینگے یاشہادت؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگرکسی جگہ میں قاضی کانظام ہوتو وہاں چاند دیکھنے والوں کو قاضی کے پاس جا کرشہادت دیناضروری ہے۔

رمضان کاچاند دیکھنے کی خبر دے سکتے ہیں اس میں شہادت شرط نہیں ہے،البتہ عیدین کاچاند دیکھنے کی شہادت دینالازم اورضروری ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا رأى أحدهم هلال رمضان شهد في مسجد قرية وعلى الناس أن يصوموا بقوله بعد أن يكون عدداً إذا لم يكن هناك حاكم يشهد عنده۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ص:۳۶۲۔زکریا)۔

(۲) وصوم رمضان أمر ديني فأشبه رواية الأخبار ولهذا لا يختص بلفظ الشهادة وأما في شهادة الفطر والأضحى يشترط فيه لفظ الشهادة۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۶۔رشيدية)۔

(۳) وكذا في الفتاویٰ الهندية ج:۱ ص:۱۹۸۔زكريا۔

(۴) وكذا في بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۔زكريا۔

(۵) وكذا في الفقه الاسلامي وأدلته۔ ج:۳ص:۱۶۵۳۔دار الفكر۔

چاند دیکھنے والوں کوکب شہادت دیناضروری ہے؟

سوال: کیاچاند دیکھنے والوں کے لئے فوراًشہادت دیناضروری ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاند دیکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ لوگ اس وقت شہادت دیں جس وقت شہادت دینے سے لوگ آنے والے دن میں روزہ رکھ سکتے ہوں یاعید کرسکتے ہوں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وهي من فروض العين يجب أن يشهد في ليلة كتى لا يصبح الناس منظرين۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ص:۳۶۲۔زكريا)۔

(۲) ويلزم العدل أن يشهد عند الحاكم في ليلة رويته كيلا يصبحوا منظرين۔ (حاشية الطحطاوي ج:۱ ص:۶۵۲۔دار الكتب)۔

(۳) وكذا في البحر الرائق ج:۲ ص:۲۲۔(سعيد)۔

(۴) وكذا في بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۔(زكريا)۔

ٹیلی ویژن کے ذریعے اگررؤیت ہلال کیامعتبر ہے؟

سوال: قاضی کی طرف سے اگروڈیو یاٹیلی ویژن کے ذریعہ رویت کااعلان ہوتو یہ اعلان معتبر ہے یانہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگرقاضی کی طرف سے ریڈیو یاٹیلی ویژن کے ذریعہ اعلان کیاجائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو روية القناديل من المصر۔ لأنه علامة ظاهرة يفيد عليه الظن حجة موجبة للعمل۔ (شامی ج:۲ ص:۳۸۲۔کراچی)۔

(۲) وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ص:۳۶۳۔(زكريا)۔

(۳) وكذا في فتح القدير ج:۲ ص:۲۶۵۔(دار إحياء التراث)۔

ہندوستان کے ایک صوبہ کی رؤیت دوسرے صوبوں میں کافی ہے

سوال: ہندوستان کے اگر کسی ایک صوبہ کے قاضی نے رویت کا اعلان کر دیا تو وہ اعلان دوسرے صوبوں میں بھی معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہندوستان کے کسی صوبہ میں اگر معتبر ذرائع سے چاند کا ثبوت ہو جائے تو اگر چہ دوسرے صوبہ میں چاند نظر نہ آئے پھر بھی اس معتبر خبر کے ذریعہ قاضی کا ہلال کمیٹی فیصلہ کر سکتی ہے۔

ہندوستان کے تمام صوبوں کا مطلع ایک ہے اس لئے ایک صوبہ کی رویت دوسرے صوبہ میں معتبر ہوگی۔ مطلع کی تبدیلی کا حکم اس وقت لگتا ہے جب وہاں کی رویت مان لینے سے یہاں ۲۸ یا ۳۱ دن کا مہینہ لازم آتا ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا كان بين البلدتين تفاوت لا تختلف المطالع لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ ص:۳۶۵۔ زکریا)۔

(۲) ولو استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحيح من المذهب۔ (شامي ج:۲ ص:۳۹۴۔ کراچی)۔

(۳) وكذا في بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔ زکریا۔

(۴) وكذا في حاشية الطحطاوي ج:۱ ص:۶۵۶۔ دار الكتاب)۔

کیا قاضی صاحب کو ہی اعلان رؤیت کرنا مردہ ہے یا اس کے نمائندہ بھی کر سکتا ہے

سوال: ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان رویت کے لئے قاضی کا جانا ضروری ہے یا اس

کا نمائندہ کافی ہوگا؟ نیز اگر نمائندہ غیر مسلم ہو تو اس کا اعلان معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان رؤیت کے لئے قاضی کا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے نمائندہ کا جانا کافی ہے۔

قاضی صاحب کو چاہئے کہ اگر نمائندہ بھیجنا ہو تو مسلم نمائندہ بھیجے لیکن اگر ریڈیو میں اعلان کرنے والا آدمی غیر مسلم ہو تو قاضی کی طرف سے رؤیت کا اعلان کرنے میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ بعینہ قاضی کی دی ہوئی تحریر پڑھے، کیونکہ کبھی ریڈیو میں اعلان کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے آدمی متعین ہوتا ہے، دوسرے کسی کو اعلان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ زمانہ کی حالت بدل گئی اہل کتاب اور زمیوں کو ملک کی بڑی بڑی ذمہ داری ملنے لگی ہے، لہٰذا ان لوگوں کے پاس قاضی صاحب کا خط بھیجنا یا ان لوگوں کو کسی کام کا ذمہ داری بنانا درست معلوم ہوتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وخبر منادی القاضی مقبول عدلاً كان أو فاسقاً۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۵ ص:۳۰۹۔ زکریا)۔

(۲) إن الإنسان يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج لى أن يؤكل به غيره۔ (هداية ج:۳ ص:۱۷۷۔ تهانوی)۔

(۳) وكذا في فتح القدير ج:۵ ص:۵۵۴۔ (دار إحياء التراث)۔

(۴) وكذا في البناية ج:۸ ص:۲۶۲۔ (دار الفكر)۔

(۵) وكذا في تفسير القرطبي ج:۴ ص:۱۷۹۔

برطانیہ میں رؤیت ہلال کا حکم

سوال: بعض علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے اور ۲۹ کی رؤیت کا امکان

بہت کم ہوتا ہے جیسے برطانیہ لندن تو کیا عدم رؤیت کے وجہ سے ۳۰ دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کیا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایسی جگہ جہاں رؤیت ہلال ۲۹ تاریخ میں دیکھنے کا امکان ہے اگر چہ رؤیت کا امکان بہت کم ہو پھر بھی وہاں کے رہنے والوں پر ضروری ہے کہ ۲۹ تاریخ میں بھی چاند تلاش کریں، اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کو ۳۰ پورا کریں ایسی جگہوں میں صرف ۳۰ تاریخ شمار کر کے عید یا روزہ کا فیصلہ کرنا درست نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ینبغی للناس أن یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فإن رؤوه صاموا وإن غم علیهم اکملوا عدة شعبان ثلاثین۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ص:۳۵۸۔زکریا)۔

(۲) قوله علیه السلام صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فإن غم علیکم واکملوا العدة۔ فإنه لو کان رمضان أبداً ثلاثین لم یحتج إلی هذا۔ (فتح الباری ج:۴ ص:۱۲۱۔دار الفکر)۔

(۳) وکذافی مجمع الفتاویٰ ج:۲۵ ص:۱۵۳۔

رؤیت ہلال اور فلکیات کے حساب

سوال: یا ان ملکوں میں فلکیات کے قول پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاند کے ثبوت کے لئے فلکیات کو شرعاً معیار نہیں بنانا چاہئے، چاند کے ثبوت کا دارومدار رؤیت بصری پر ہے، ماہرین فلکیات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ رؤیت ہلال کے لئے ایسا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس سے بتایا جاسکے کہ فلاں تاریخ کو یقینی طور پر چاند نظر آئے گا یا نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إن الشرط فی وجوب الصوم الرؤیة فلا یؤخذ بقولهم۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۳۸۷۔ کراچی)۔

(۲) ولا عبرة بقول المؤقتین فی وجوب الصوم۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم الشهر تسع وعشرون فلاتصوموا حتی تروه ولا تفطروا حتی تروه فإن غم علیکم فاقدروا له ثلاثین۔ (أبو داؤد ج:۱ ص:۳۱۷۔ ترمذی ج:۱ ص:۱۴۷۔ بلال)۔

(۴) وکذافي الفقه علی المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۴۲۴۔ (سلمان)۔

قریبی ممالک کا اعتبار کب کیا جاسکتا ہے؟

سوال: یا قریبی ممالک کی رؤیت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر قریبی ممالک اور اس کا مطلع ایک ہو تو قریبی ممالک کا بھی اعتبار کیا جاسکتا ہے، یعنی جہاں کی رؤیت مان لینے سے یہاں کا مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا ہونا لازم نہ آئے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحیح۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۳ کراچی)۔

(۲) إذا کان بین البلدتین تفاوت لا تختلف المطالع لزم حکم أهل إحدی البلدتین البلدة الأخری۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ص:۳۶۵۔زکریا)۔

(۳) إذا کانت المسافة بین البلدتین قریبة لا تختلف فیها المطالع فأما إذا کانت بعیدة فلا یلزم أحد البلدتین حکم الآخر۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔

زکریا)۔
(۴) وکذافی حاشیۃ الطحطاوی ج:۱ ص:۶۵۶۔(دار الکتاب)۔
(۵) وکذافی البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۴۔(سعید)۔

رؤیت ہلال کی خبر کو کب استفاضہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے

سوال: اگر مختلف صوبوں سے باوثوق ذرائع سے رؤیت کی خبر لے تو اس کو استفاضہ کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مختلف صوبوں سے باوثوق ذرائع سے رؤیت کی خبر ملی تو اس کو استفاضہ کا درجہ حاصل ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال الرحمتی: معنی الاستفاضة: أن تأتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبرون عن أهل تلک البلدة أنهم صاموا عن رؤیة لا عن مجرد الشیوع من غیر علم۔(شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔
(۲) المراد بالاستفاض تواتر الخبر من الواردین من بلدة القرب إلی البلدة التی لم یثبت بها۔(منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۲ ص:۲۷۰۔سعید)۔
(۳) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ ص:۳۶۵۔(زکریا)۔
(۴) وکذافی البحر الرائق ج:۲ ص:۲۷۰۔(سعید)۔

رمضان وعیدین کی رؤیت کے اعلان کا حق کس کو ہے؟

سوال: رمضان وعیدین کی رؤیت کے اعلان کا حق کس کو ہے؟ قاضی، ہلال کمیٹی یا کوئی بھی فرد اعلان کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

رمضان وعیدین کی رؤیت کا اعلان کا حق ہر کسی کو نہیں ہے اگر قاضی ہو تو اعلان کرنے کا حق قاضی کو ہوگا، اگر قاضی نہ ہو اور وہاں ہلال کمیٹی ہو تو پھر اعلان کرنے کا حق ان کو ہوگا، اگر ہلال کمیٹی بھی نہ ہو تو جن لوگوں نے چاند دیکھا وہ لوگ مجمع عام میں اعلان کرینگے جیسا کہ جامع مسجد وغیرہ۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) لأن البلدة لا تخلو عن حاکم شرعی فلا بد من أن یکون صومهم مبیناً علی حکم حاکمهم الشرعی۔(شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔
(۲) ومن رأی هلال رمضان فی الدستاق ولیس هناک والٍ وقاض فإن کان ثقة یصوم الناس بقوله وفی الفطر إن أجز عدلان برؤیته لا بأس بأن یفطروا۔(البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۷۔سعید)۔
(۳) ولأن قضاء القاضی حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا برؤیة بخبرهم لأنه حکایة۔(شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔
(۴) وکذافی رسائل ابن عابدین ج:۱ ص:۲۳۴۔
(۵) وکذافی الشامی ج:۲ ص:۳۸۶۔(کراچی)۔

غیر ذمہ دار کے اعلان کرنے کا حکم

سوال: اگر کسی غیر ذمہ دار فرد کے اعلان پر لوگ روزہ رکھیں یا عید کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر روزہ توڑ دیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جہاں قاضی موجود ہو وہاں غیر ذمہ دار کے اعلان کا اعتبار نہیں بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ قاضی کے اعلان کا انتظار کریں، اگر غیر ذمہ دار کے اعلان رلوگ روزہ رکھیں یا عید کریں اور یہ

اعلان ذمہ دار لوگوں کے اعلان کے مطابق ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اگر غیر ذمہ دار کے اعلان پر لوگ عید کریں، جبکہ ذمہ دار لوگ نے آپ تک اعلان نہیں کیا، اور بعد میں پتہ چلا کہ رمضان کا اور ایک دن باقی ہے تو ان لوگوں کو اس کی قضاء کرنا ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) یوم مختلف فی صومه فإن الحسن وابن سیرین وعطاء قالوا بأنه لا یصومه إلا مع الإمام۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۶۶۔ سعید)۔

(۲) إذا صام أهل بلدة ثلاثين يوماً للرؤية وأهل بلدة أخرى صاموا تسعة وعشرين يوماً للرؤية فعليهم قضاء صوم واحد وبه كان يفتي الفقية أبو الليث۔ (الفتاویٰ الغیاثیة ج: ۱ ص: ۴۹۰)۔

(۳) وکذا فی الفتاویٰ النوازل ج: ۱ ص: ۱۴۶۔

ایک سے زیادہ ہلال کمیٹی ہونے کی صورت میں کس کی بات مانی جائے گی

سوال: ایک شہر میں ایک سے زیادہ ہلال کمیٹی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر قاضی نہ ہوتے ہوئے ایک شہر میں ایک سے زیادہ ہلال کمیٹی ہو تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مقامی ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کریں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا باخبار عدلین تحته فی الشامیة الظاهر أن المراد به الوجوب۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۸۶۔ کراچی)۔

(۲) إذا رأى أحدهم هلال رمضان وشهر في مسجد قريته وعلى الناس أن

بصوموا بقوله بعد أن یکون عدداً إذا لم هناک حاکم یشهد عنده۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۳ ص: ۳۶۲۔ زکریا)

(۳) وکذا فی البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۶۶۔ (سعید)۔

(۴) وکذا فی بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۲۴۔ (زکریا)۔

متفق علیہ ہلال کمیٹی کی ایک شکل

سوال: ہندوستان کے تمام صوبوں کا مطلع ایک ہے اسی صورت متفق علیہ ہلال کمیٹی کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جبکہ ہندوستان کے تمام صوبوں کا مطلع ایک ہے تو ایسی صورت میں متفق علیہ ہلال کمیٹی کی یہ شکل بھی ہو سکتی ہے کہ ملک دار الحکومت میں ہر جماعت کے افراد پر مشتمل ایک ہلال کمیٹی بنائی جائے جو مختلف صوبوں سے رابطہ کر کے رؤیت کا ثبوت جمع کرے اور پھر متفقہ طور پر رمضان و عیدین کی رؤیت و عدم رؤیت کا اعلان کریں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا کان بین البلدتین تفاوت لا یختلف المطالع لزم حکم إحدی البلدتین البلدة الأخری۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۳ ص: ۳۶۵۔ زکریا)۔

(۲) وإذا استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحیح من المذهب۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۹۴۔ کراچی)۔

(۳) وکذا فی حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۶۵۶۔ (دار الکتاب)۔

(۴) وکذا فی بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۲۴۔ (زکریا)۔

جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے اسے کیا کرنا چاہئے؟

سوال: ایک شخص عمر کی زیادتی اور بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے۔ تو وہ کیا کرے؟ جواب سے نواز کر ممنون ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جو لوگ بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو یا روزہ رکھنے میں بہت زیادہ مشقت ہو۔ تو وہ حضرات روزہ کا فدیہ ادا کر دیں۔ اور فدیہ کی مقدار نصف صاع گیہوں یعنی پونے دو کیلو۔ یا اس کی قیمت ہے، اور یہ فدیہ ایک ہی مستحق کو دینا ضروری نہیں ہے۔ اس کو متفرق مستحقین کو بھی دیا جا سکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ایک مسکین کو ایک فدیہ کی مقدار سے کم نہ دیا جائے لیکن اگر بعد میں عذر زائل ہو جائے۔ تو رمضان کے روزے کی قضاء کرنی ہوگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) واجمعوا علی أن المشایخ والعجائز الذین لا یطیقون الصیام او یطیقونه علی مشقة شدیدة أن یفطروا۔ (الجامع لا حکام القرآن للقرطبی ج:۲ ص:۲۸۹)۔ دار إحیاء التراث العربی۔

(۲) یجوز اجماعاً الفطر للشیخ الفانی والعجوز الفانیة العاجزین عن الصوم فی جمیع فصول السنة، ولا قضاء علیهما، لعدم القدرة، وعلیهما عن کل یوم فدیة طعام مسکین۔ (الفقه الاسلامی وأدلته۔ ج:۳ ص:۱۷۰۱۔ دار الفکر المعاصر)۔

(۳) وجوب الفداء: فشرطه العجز عن القضاء عجزاً لا ترجی معه القدرة فی جمیع عمره فلا یجب إلا علی الشیخ الفانی۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۱۰۵۔ بیروت)۔

(۴) قال: رحمه الله۔ وللشیخ الفانی وهو یفدی فقط۔ أی للشیخ الفانی الفطر

علی نحو ما تقدم فی الحامل والمرضع من العطف وهو وحده یفدی دون غیره ممن تقدم ذکرهم لقوله تعالیٰ۔ وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام۔ (تبیین الحقائق ج:۱ ص:۳۳۷۔ بیروت)۔

(۵) أن له أن یفرق علی أیّ عدد شاء ولکن الأفضل أن یعطی مسکیناً واحداً لأن ما دون نصف صاع لا یحصل به الإغناء۔ (حاشیة الشلبی علی التبیین ج:۱ ص:۳۱۱۔ بیروت)۔

(۶) ولو قدر علی الصوم یبطل حکم الفداء۔ لأن شرط الخالفیة استمرار العجز فی الصوم۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۳۰۸۔ دار الکتاب۔ الاسلامی)۔

کیا قی مفسد صوم ہے

سوال: کیا قے مفسد صوم ہے؟ نیز روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرنے، یا خود بخود قے ہو جانے میں روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے سلسلے میں کچھ فرق ہے؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازینگے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

روزے کی حالت میں اگر خود بخود الٹی ہو جائے پھر وہ قصداً اعادہ نہ کرے تو یہ مفسد صوم نہیں ہے۔ خواہ منہ بھر کر ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اعادہ کر لیا اور منہ بھر کر ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔ اور اگر قصداً الٹی کرے جبکہ روزے کی حالت میں ہونا یاد ہو تو اگر منہ بھر کر ہو تو اس کا روزہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وحدثنی عن مالک عن نافع عن عبد الله بن عمر۔ أنه کان یقول: من استقاء وهو صائم فعلیه القضاء۔ ومن ذرعه القیء فلیس علیه القضاء۔

مؤطا للإمام مالک: باب ما جاء فی قضاء رمضان والکفارات۔ رقم الحدیث:۴۷۔

سنن أبی داؤد: باب الصائم یستقی عامداً۔ رقم الحدیث: ۲۳۸۰۔

سنن الترمذی: باب ماجاء فیمن استقاء عمداً۔ رقم الحدیث: ۷۲۰۔

(وإن ذرعه القیء وخرج) ولم یعد (لا یفطر مطلقاً) ملأ أو لا (فإن عاد) بلا صنعه (و) لو (هو ملء الفم مع تذکره للصوم لا یفسد) خلافاً للثانی (وإن أعاده) أو قدر حمصة منه فأکثر حدادی (أفطر إجماعاً) ولا کفارة (إن ملأ الفم وإلا لا) هو المختار (وإن استقاء) أی طلب القیء (عامداً) أی متذکراً لصوم۔ (إن کان ملء الفم فسد بالإجماع)۔

الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۱۴۔ کراچی۔

هدایة ج: ۱ ص: ۲۱۸۔ دار الکتاب دیوبند۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۶۶۲۔ دار الکتاب دیوبند۔

النهر الفائق ج: ۲ ص: ۱۹۔ زکریا۔

تحفة الفقهاء ج: ۱ ص: ۳۵۸۔ بیروت۔

درر الحکام شرح غدر الأحکام ج: ۱ ص: ۲۰۶۔ دار إحیاء الکتب العربیة۔

کتاب الحج

مسائل سفر میں سفر شرعی کی مسافت حکم کی بنیاد ہے یا تین دن تین راتیں؟

سوال: خواتین کے ساتھ محرم کی شرط کے مسئلہ میں سفر شرعی کی مسافت حکم کی بنیاد ہے یا تین شب وروز کی مدت؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

خواتین کے ساتھ محرم کی شرط کے مسئلہ میں سفر شرعی کی مسافت حکم کی بنیاد ہے، نہ کہ تین دن اور تین رات، کسی عورت کے لئے شرعی سفر کی مقدار ۴۸ میل یا ۷۸ کیلومیٹر، اس سے زیادہ محرم کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) یباح لها الخروج إلی مادون السفر بغیر محرم۔ قال المرغینانی اختلف فیها دون مسافة القصر۔ (البنایة ج: ۴ ص: ۲۱) دار الفکر۔

(۲) وکذا فی البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۶۵۔ (سعید)۔

(۳) وکذا فی الشامی ج: ۶ ص: ۳۶۱۔ (کراچی)۔

(۴) وکذا فی المنهل العذب المورود ج: ۱۰ ص: ۲۶۹۔

کیا سفر میں عورت کے ساتھ محرم کا ہونا شرط ہے؟

سوال: سفر میں محرم کے ساتھ کی شرط ہونے کے سلسلہ میں کیا فقہاء کا اختلاف ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سفر شرعی کی مسافت یا اس سے زیادہ مسافت میں عورت کے ساتھ محرم ہونا شرط ہے، لیکن اگر وہ مسافت سفر شرعی کی مسافت سے کم ہو تو اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے کہ محرم ہونا شرط ہے یا نہیں۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں اس صورت میں بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں اس صورت میں محرم کا ساتھ ہونا شرط نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وفیہ إشارة أن الحرَّة لاتسافر ثلاثة أیام بلامحرم واختلف فیما دون الثلاث وقیل مع الصالحین والصبی والمعتوہ غیر محرمین۔ (الشامی ج:۶ ص:۳۶۰ کراچی)۔

(۲) یباح لہا الخروج إلی ما دون السفر بغیر محرم قال المرغینانی واختلف فیما دون مسافة القصر۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵ ج:۲ سعید)

(۳) وکذافی بذل المجہود ج:۷ ص:۱۴۔

(۴) وکذافی نیل الأوطار ج:۴ ص:۳۲۵۔

اگر کوئی عورت اپنے محرم کے بجائے ثقہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ نکلے تو یہ کافی ہے

سوال: اگر عورت کے ساتھ محرم نہ ہو لیکن ثقہ عورتوں کی ایک جماعت ہو تو کیا یہ کافی ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کے لئے حج اور عمرہ کے علاوہ دوسرے سفر میں محرم کے بغیر سفر میں نکلنا جائز نہیں ہے، اگرچہ ان کے ساتھ ثقہ عورتوں کی جماعت

موجود ہوں، البتہ اگر حج یا عمرہ کا سفر ہو تو امام شافعی کے نزدیک ثقہ عورتوں کی جماعت بھی محرم کے قائم مقام ہو جائیگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال: اتفق العلماء علی أنہ لیس لہا أن یخرج فی غیر الحج والعمرة إلا مع ذی محرم۔ (حاشیة أبی داؤد ج:۱ ص:۲۴۲۔بلال)۔

(۲) وعند الشافعي یجوز لہا المسافرة بغیر محرم فی رفقہ لہا فیہا نساء ثقات۔ (فتاویٰ قاضی خان ج:۱ ص:۲۵۱۔دار الکتب)۔

(۳) وکذافی بذل المجہود ج:۷ ص:۱۴۔

(۴) وکذافی نیل الأوطار۔ ج:۴ ص:۳۲۵۔

نظام سفر اگر محفوظ ہو تب بھی محرم کا ہونا شرط ہے

سوال: اگر محفوظ نظام سفر مثلاً کوئی شخص ریاض میں رہتا ہو وہ اپنی بیوی کو وہاں بلائے دہلی میں اس کے رشتہ دار اس کو فلائٹ پر سفر کردیں اور ریاض ایئر پورٹ سے اس کا شوہر لے لے تو کیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں عورت کا سفر ضرورت کی بناء پر درست ہوسکتا ہے ورنہ فقہاء حنفیہ مطلقاً عورت کے لئے سفر شرعی کی مسافت کو محرم کے بغیر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چاہئے نظام سفر مامون ہو یا نہ ہو، البتہ دوسرے فقہاء ایسی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱) کل ما یسمی سفراً تنہی عنہ المرءة بغیر زوج أو محرم۔ (حاشیة أبی داؤد ج:۱ ص:۲۴۲ بلال)۔

(۲) وعند الشافعی یجوز لہا المسافرة بغیر محرم فی رفقة لہا۔ (فتاویٰ قاضی خان ج:۱ ص:۲۵۱۔دار الکتب)۔

(۳) و کذافی البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵۔(سعید)۔

(۴) و کذافی بذل المجهود ج:۷ ص:۱۴۔مرکز الشیخ

عورت بغیر محرم عمرہ کرسکتی ہے؟

سوال: اگر کوئی عورت عمرہ کرنا چاہے اور اس کا کوئی محرم نہ ہو اور نہ محرم کے اخراجات کا متحمل ہو تو دوسری عورتوں کے ساتھ بغیر محرم کے عمرہ کرسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حنفی مذہب میں عورت کے لئے محرم کے بغیر حج یا عمرہ کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وأما الذی یحیض النساء فشرطان: أحدهما أن یکون معها زوج أو محرم لها فإن لم یوجد أحدهما لا یجب علیها الحج۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۹۹۔ زکریا)۔

(۲) اختلفوا هل یقوم غیر المحرم مقامه کالنسوة الثقات فقیل: یجوز لضعف النهمة وقبل لا یجوز لا بدمن المحرم۔ (بذل المجهود ج:۷ ص:۱۳)۔

(۳) و کذافی الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۴۶۵۔ کراچی۔

سفر حج کے لئے محرم کی شرط ہونے کی حیثیت

سوال: سفر حج کے لئے محرم کی شرط کیا حیثیت ہے؟ اور اس کے بارے میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سفر حج کے لئے فقہاء حنفیہ کے نزدیک عورت کے لئے محرم ہونا شرط ہے۔ اگر محرم نہ ہو یا

ہو لیکن اس کا نفقہ پر عورت قادر نہ ہو تو ایسی عورت پر حج واجب نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر محرم نہ ہو تو وہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ سفر کرسکتی ہے اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ صلحاء کے ساتھ بھی نکل سکتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فإلم یوجد أحدهما لا یجب علیها الحج۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۹۹۔ زکریا)۔

(۲) قال مالک یخرج مع جماعة النساء۔ (اعلاء السنن)۔

(۳) وعند الإمام الشافعی یجوز لها المسافرة بغیر محرم فی رفقة لها۔ (فتاویٰ قاضی خان ج:۱ ص:۲۵۱۔ دار الکتب)۔

(۴) قال حماد لا بأس للمرأة أن تسافر بغیر محرم مع الصالحین۔ (فتاویٰ هندیة ج:۵ ص:۳۶۔ زکریا)۔

(۵) وقیل إنها تسافر مع الصالحین والصبی والمعتوه غیر محرمین۔ (شامی ج:۶ ص:۳۶۰۔ کراچی)۔

محرم نہ ہونے کی صورت حج ٹور کے قافلہ کے ساتھ جاسکتی ہے

سوال: ایک عورت پر حج فرض ہے لیکن کوئی محرم ساتھ جانے والا نہیں ہے اور نہ ہی محرم کے اخراجات کی متحمل ہے تو اسی صورت میں حج کمیٹی یا حج ٹور کے قافلہ کے ساتھ بغیر محرم کے حج کے لئے جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء حنفیہ کے نزدیک عورت کے لئے بغیر محرم حج کے لئے جانا درست نہیں ہے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بغیر محرم بھی جاسکتی ہے۔ اگر عورت محرم کے اخراجات کی متحمل نہ ہو تو اداءِ ان پر حج واجب نہیں ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) فإن لم يوجد أحدهما أي الزوج أو المحرم لا يجب عليها الحج۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۹۹۔زکریا)۔

(۲) قال مالک يخرج مع جماعة النساء۔ (اعلاء السنن)۔

(۳) وعند الشافعي يجوز لها المسافرة بغير محرم في رفقة لها۔ (قاضی خان ج:۱ ص:۲۵۱۔دار الکتب)۔

(۴) و کذا في الفتاویٰ الهندية ج:۵ ص:۳۶۶۔ (زکریا)۔

(۵) و کذا في الشامي ج:۲ ص:۳۶۰۔ (کراچی)۔

ہر عمر کی عورتوں کے لئے محرم کا ہونا شرط ہے

سوال: کیا محرم کی شرط ہر عمر کی عورتوں کے لئے ہے یا اس کی کوئی تحدید ہے؟

الجواب: حامداً و مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

محرم کی شرط ہر عمر کی بالغہ عورت کے لئے ہے چاہے وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) أطلق المرءة تشمل الشابة والعجوز لإطلاق النصوص۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵۔سعید)۔

(۲) مع زوج أو محرم بالغ عاقل لامرأة حرة ولو عجوزاً في السفر۔ (شامی ج:۲ ص:۴۶۴۔ کراچی)۔

(۳) ولا يجوز للمرأة أن تسافر يوماً وليلة إلا إذا كان معها محرم سواء كانت المرأة شابةً أو هرمةً۔ (المنهل العذب المورود ج:۱۰ ص:۲۶۶)۔

عمرہ کے طواف مکمل ہونے سے پہلے اگر کسی لڑکی کو حیض آجائے تو اسے کیا کرنا ہوگا؟

سوال: ایک عورت عمرہ کے لئے گئی۔ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے اس کو حیض شروع ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے احرام کا کیا حکم ہوگا؟ اس کی واپسی مکہ آئندہ پانچ روز کے بعد ہے۔ اس کو حیض مہینہ میں دس یوم کو آتا ہے، یعنی مکہ رہتے ہوئے وہ پاک نہیں ہوگی، اس کے عمرہ کا کیا ہوگا۔

الجواب: حامداً و مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے احرام باندھ لے اور مکہ مکرمہ پہونچ کر پاک ہونے کا انتظار کرے۔ اور غسل کر کے عمرہ کر لے، لیکن اگر اپنے ملک میں واپسی سے پہلے پہلے حیض سے پاک ہو کر عمرہ کرنے کی صورت نہ ہو۔ یعنی ویزا بڑھانے کی، یا محرم ساتھ دینے کی کوئی صورت نہ ہو۔ ت مجبوراً حالت حیض میں عمرہ کر لے۔

اور حرم کے حدود میں ایک دم (بکری) دے دے۔

الدليل على ما قلنا:

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الحائض تقضي المناسک إلا الطواف بالبيت۔ (إعلاء السنن ج:۱۰ ص:۳۱۷۔ادارۃ القرآن کراچی)۔

لو طاف للعمرة كله أو اكثره أو أقله ولو شوطاً جنباً أو حائضاً أو نفساء فعليه شاة۔ (شامی ج:۲ ص:۵۵۱۔ کراچی۔ منحة الخالق على البحر الرائق ج:۳ ص:۲۲۔سعید)۔

فتاویٰ بنوری ٹاؤن کراچی۔ (۱۴۳۹۔۹۲۰۰۔۵۶۵)۔

احرام باندھنے کے بعد اعمال حج یا عمرہ کرنے سے پہلے اگر پھنس جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

سوال: مفتی صاحب ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، کچھ لوگ عمرہ پر جارہے تھے پھر ان کا پاسپورٹ کہیں پھنس گیا، جس کی وجہ سے دو یا تین دن بعد جانے کا ہے۔

تو مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ ان لوگوں نے احرام باندھ لیا تھا اور نیت بھی کرلی تھی تو کیا احرام کھول سکتے ہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جب وہ لوگ مکہ مکرمہ نہیں جاپارہے ہیں۔ پاسپورٹ پھنس جانے کی وجہ سے، تو احرام سے نکلنے کے لئے مکہ ہدی یا اس کی قیمت بھیجنا ضروری ہے، ابھی ان کو چاہئے کہ جہاں رکاوٹ کا سامنا ہے۔ وہاں سے مکہ مکرمہ میں ہدی بھیج دیں۔ اور جب ہدی ذبح ہوجائے تب احرام سے نکل سکتے ہیں۔ اس کے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ البتہ بعد میں ہر ایک پر اس عمرہ کے بدلے ایک عمرہ کرنا لازم ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) واتموا الحج والعمرة لله فإن احصرتم فما استيسر منا لهدى۔ ولا تحلقوا رؤسكم حتى يبلغ الهدئ محلله۔ الخ۔ (سورة البقرة رقم الآية: ۱۹۶)۔

(۲) الإحصار كما يكون عن الحج۔ يكون عن العمرة عند عامة العلماء۔ وأما حكم الإحصار فهو: أن يبعث بالهدئ أو بثمنه يشترى به هدياً ويذبح عنه۔ ومالم يذبح لايحل۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۱ ص:۳۱۹)۔ الباب الثانى عشر فى الإحصار زكريا۔

(۳) لمن أحصر بعدو أو مرض، أن يبعث شاة يذبح عنه، فيتحلل۔۔۔ وأفاد

بالفاء التى للتعقيب فى قوله "فيتحلل" إلى أنه لا يحتلل إلا بالذبح۔ (البحر الرائق ج:۳ ص:۵۳۔۵۴ سعيد)۔

(۴) ويجوز (الذبح) للمحصر بالعمرة متى شاء۔ (شامى ج:۲ ص:۵۹۱۔ كراچى)۔

(۵) وعلى المحصر بالحج إن تحلل حجة۔ وعلى المعتمر عمدة، وعلى القارن حجة وعمرتان۔ (كنز الدقائق) بيان لحكم المحصر المآلى۔ فإن له حكمين۔ حالياً، ومآلياً۔ فما تقدم من بعث الشاة حكم الحالى، والقضاء إذا تحلل۔ وزال الإحصار حكمه حكم المآلى۔ (البحر الرائق ج:۳ ص:۵۵۔ سعيد)۔

(۶) وإن كان أحرم بالعمرة لاغير۔ قضاها لوجوبها بالشروع، فى أى وقت شاء، لأنه ليس له وقت معين۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۳۰۴۔ زكريا ديوبند)۔

(۷) قال العينى فى البناية: المحصر بالحج، يجبا عليه قضاء حجة وعمرة وإن كان محصراً بعمرة، يجب عليه قضاء عمرة لا غير۔ (أو جز المسالك ج:۷ ص:۲۳۲) مركز الشيخ۔

احرام کی حالت میں خوشبودار تمباکو کھانا کیسا ہے

سوال: احرام کی حالت میں خوشبودار تمباکو کھائے تو کیا حکم ہے؟ اور جان بوجھ کر کئی بار کھائے تو کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ جواب دیکر ممنون ہونگے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

محرم کو خوشبودار چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے، چونکہ بعض صورتوں میں دم بھی لازم آجاتا ہے اس طرح خوشبودار تمباکو سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ چونکہ خوشبودار تمباکو کا استعمال احرام کی حالت میں مکروہ ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) الطیب کل شئی له رائحة مستلذة، ویعده العقلاء طیباً۔ کذا فی السراج۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۰۹۔ زکریا)۔

(۲) وإن خلطه بما یؤکل بلا طبخ۔ فإن کان مغلوباً۔ فلا شیئ علیه۔ غیر إن وجذت الرائحة کره۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۲۴۱۔ رشیدیه)۔

حاشیة الشر نبلالی علی درر الحکام شرح غدر الأحکام۔ ج: ۱ ص: ۲۴۰۔ قدیم۔

لباب المناسک مع شرحه ص: ۳۵۲۔ بیروت۔

المبحث الحادی عشر۔ جزاء الجنایات۔ دار الفکر المعاصر۔

(۳) أوجبوا الکفارة فیما إذا أکل أو شرب مما کان الطیب فیه غالباً۔ ولم یفصلوا بین ما إذا أکل أو شرب من ذلک قلیلاً أو کثیراً۔

(منحة الخالق علی البحر الرائق ج: ۳ ص: ۶۔ سعید)۔

(۴) هکذا فی معلم الحجاج۔ (سعیدی)۔ ص: ۱۱۴۔

(۵) ولکن أصحابنا قالوا: یجب أن یزید فی التقصیر علی قدر الأنملة۔۔۔ حتی یستیقن باستیفاء قدر الواجب، فیخرج عن العهدة۔ (بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۳۳۰۔ حکم الحلق۔ زکریا)۔

(۶) فإذا طاف، وسعی، وحلق، یخرج عن الإحرام۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۰۱۔ زکریا)۔

(۷) إن المحرم لو نوی الرفض، ففعل کالحلال علی ظن خروجه من الإحرام بذلک، لزمه دم واحد لجمیع ما ارتکب لاستناد الکل إلی قصد واحد۔ (شامی ج: ۲ ص: ۵۹۲۔ کراچی)۔

(۸) وأما الواجبات فمن ترکها شیئًا منها لزمه دم، ویصح الحج بدونه۔ سواء

ترکه عمداً أو سهواً، لکن یأثم العامد۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج: ۳ ص: ۲۱۵۸)۔ دار الفکر المعاصر۔

کیا عمرہ مردوں اور زندوں دونوں کی طرف سے ادا کیا جا سکتا ہے

سوال: عمرہ صرف مردوں کی طرف سے کر سکتے ہیں یا زندوں کی طرف سے بھی؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندوں کی طرف اسے عمرہ نہیں کر سکتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مردوں کی طرف سے جس طرح عمرہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح زندوں کی طرف سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ عمرہ ایک ایسی مستقل عبادت ہے جس میں نیابت چلتی ہے۔ اس لئے جس کی طرف سے ادا کیا جا رہا ہے وہ اگر زندہ ہو تو اس کی اجازت لے لی جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والأصل فیه أن الانسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غیر ذلک عند أصحابنا لکتاب والسنة۔

(البحر الرائق ج: ۳ ص: ۵۹۔ سعید)۔

شامی ج: ۲ ص: ۵۹۵۔ کراچی۔

تبیین الحقائق ج: ۲ ص: ۸۴۔ امدادیه ملتان۔

الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۲۱۔ زکریا دیوبند۔

إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری۔ (ص: ۴۷۵۔ دار الکتب العلمیة)۔

(۲) وکما تکون النیابة فی الحج عن الأحیاء، کذالک تکون عن الأموات۔۔۔

والعمرة كالحج فی ذلک۔ (الفقه علی المذاهب الأربعة ج:۱ ص:۵۴۵۔ سلمان)۔

(۳) ولا يجوز الحج والعمرة عن حی إلا بإذنه فرضاً أو تطوعاً۔ لأنها عبادة تدخلها النيابة۔ فلم تجز عن البالغ العاقل إلا بإذنه كالزكاة۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۳ص: ۲۱۰۱۔دار الفكر المعاصر)۔

(۴) مستفاد من: ولو أمره بالعمرة، فاعتمر، ثم حج عن نفسه أو أمره بالحج، فحج ثم اعتمم لنفسه جاز۔ (لباب المناسك مع سرحه۔ ص:۴۸۸۔ دار الكتب العلمية)۔

(۵) ففی الحج النفل تجوز النيابة حالة القدرة۔ لأن باب النفل أوسع۔ كذا فی السراج الوهاج۔ (الفتاویٰ الهنديه ج:۱ ص: ۳۲۱)۔زكريا ديوبند۔

دوران طواف اگر وضوء ٹوٹ جائے تو کیا کیا جاسکتا ہے؟

سوال: ایک شخص طواف کر رہا تھا تیسرے شرط میں اس کا وضو ٹوٹ گیا اب وہ کیا کرے دوبارہ طواف کرے؟ باوضو کر کے باقی شرط پورا کرلے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر قسم کی نجاست سے پاک ہونا طواف کے لئے شرط ہے۔ بغیر طہارت طواف کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی کا دوران طواف وضو ٹوٹ جائے تو طواف اسی جگہ روک کر وضو کرنے کے لئے چلا جائے۔ اور وضو کرنے کے بعد وہی سے باقی طواف مکمل کرسکتا ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ اگر چار چکروں سے پہلے وضوء ٹوٹ جائے تو بعد میں ازسرنو طواف شروع کرے۔ اور اگر چار چکروں کے بعد ہو تو اسے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو ازسرنو شروع کرسکتا ہے۔ اور اگر چاہے تو بقیہ چکروں کو مکمل بھی کرسکتا ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) حدثنا أبو الأحوص، عن ليث، عن عطاء، وطاؤس، ومجاهد قالوا: لا تطف بالبيت إلا أنت على وضوء۔ (المصنف لابن أبی شيبة ج:۸ ص: ۴۳۶۔ كتاب الحج رقم الحديث ص: ۱۴۵۵۹)۔

(۲) ولو خرج منه أو من السعی إلی جنازة أو مكتوبة أو تجديد وضوء ثم عاد بنی۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۴۹۷۔ كراچی۔ النهر الفائق ج:۲ ص:۷۶۔زكريا ديوبند۔

(۳) فصل فی مستحباته: واستئناف الطواف لو قطعه أی ولو بعذر، والظاهر أنه مفيد بما قبل إتيان أكثره۔

إرشاد الساری إلی مناساک الملا علی القاری ص:۱۷۷۔دار الكتب العلميه۔

(۴) ويستحب الا ستئناف فی الطواف إذا كان قبل إتيان أكثره۔ (لباب المناسك ص:۱۲۷۔جديد)۔

عمرہ کے احرام باندھنے کے بعد بغیر عمرہ احرام کھولا جاسکتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص عمرہ کے لئے احرام باندھ لے، تو کیا عمرہ کرنے کے بغیر احرام کھول سکتا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

احرام حالت کا نام ہے، صرف کپڑے اور چادروں کے پہننے کا نام نہیں ہے، جو شخص عمرہ یا حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے تو اس وقت سے احرام کی پابندیاں جاری ہو جاتی ہیں، جس نے احرام باندھنے کے ساتھ تلبیہ پڑھ لیا، اس پر ضروری ہے کہ وہ طواف کرے، پھر سعی کرے، اور سر منڈائے یا کٹوائے اس کے علاوہ احرام سے باہر آنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ محصر ہو جائے۔ یعنی احرام باندھ کر چلے۔ لیکن راستے میں کہیں پھنس جائے۔ اور آگے

چلنے کی امید نہ ہو تو حدود حرم میں کوئی بکرا ذبح کرائے، اور ذبح کروانے سے پہلے حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر حلق یا قصر کروائے۔ اور احرام سے حلال ہو جائے۔ اس صورت میں حلق یا قصر کروانا حلال ہونے کی شرط نہیں ہے البتہ بہتر ضرور ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

یا ایها الذین اٰمنوا أطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم۔ (سورۃ محمد رقم الآیۃ: ۳۳)۔

(۲) أنه یصیر محرماً عند النیة و التلبیة۔ (شامی ج: ۲ ص: ۴۸۴۔ کراچی)۔

(۳) أنه إذا أتم الإحرام أو عمرة لا یخرج عنه إلا بعمل ما أحرم به و إن أفسده إلا فی الفوات فبعمل العمرة و إلا الإحصار فبذبح الهدی۔

(الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۸۰۔ کراچی)

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۲۰۔ سعید۔

النهر الفائق ج: ۲ ص: ۶۳۔ زکریا۔

الفقه الاسلامی و ادلته ج: ۳ ص: ۲۱۷۷۔ دار الفکر المعاصر۔

درر الحکام شرح عذر الأحکام ج: ۲ ص: ۳۲۰۔ قدیم۔

(۴) فإنه یجب إتمامه بعد إحرامه۔ (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری ج: ۴۵۲۔

(۵) ثم الإحصار کما یکون عن الحج یکون عن العمرة عند عامة العلماء (و أما حکم الإحصار)۔ فهو أن یبعث بالهدی أو بثمنه یشتری به هدیاً و یذبح عنه و ما لم یذبح لا یحل و هو قول عامة العلماء۔ سواء شرط عند الإحرام الإهلال بغیر ذبح عند الإحصار أو لم یشترط، و یجب أن یواعد یوماً معلوماً یذبح عنه فیحل بعد بعد الذبح و لا یحل قبله حتی لو فعل شیئاً من محظورات الإحرام قبل ذبح الهدی یجب علیه ما یجب علی المحرم إذا لم یکن محصراً۔ و أما الحلق فلیس بشرط

للتحلل فی قول أبی حنیفة و محمد۔ (رحمهما اللہ تعالیٰ۔ و إن حلق فحسن۔ کذا فی البدائع۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۹۱۔ زکریا)۔

مکہ میں رہتے ہوئے عمرہ کے احرام کہاں سے باندھنا چاہئے

سوال: مکہ مکرمہ میں لوگ مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہاں سے عمرہ نہیں ہوتا صحیح رائے سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: و اللہ الموفق بالصواب

مکہ مکرمہ سے عمرہ کرنے والوں کے احرام کی میقات حل ہے۔ البتہ تنعیم سے احرام باندھنا بہتر ہے۔ اور تنعیم وہی جگہ ہے جو مسجد عائشہ کے نام سے مشہور ہے۔ لوگوں کا ایسا کہنا کہ "مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھنے سے عمرہ درست نہیں ہوتا"۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) (و) المیقات (لمن بمکة) یعنی من بداخل الحرم۔ (للحج الحرم و للعمرة الحل) لیتحقق نوع سفر۔ و تحته فی الشامیة: و المراد بالمکی من کان داخل الحرم سواء کان بمکة أو لا۔ و سواء کان من أهلها أو لا۔

الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۷۸۔ کتاب الحج کراچی۔

مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۳۹۳۔ فقیه الأمة۔

تبیین الحقائق ج: ۲ ص: ۸۔ امدادیه ملتان۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۱۹۔ سعید۔

النهر الفائق ج: ۲ ص: ۶۲۔ زکزیا۔

تحفة الفقهاء ج: ۲ ص: ۸۳۸۔ دار الکتب العلمیة۔

الفقه الاسلامی و ادلته ج: ۳ ص: ۲۱۲۶۔ دار الفکر المعاصر۔

دار الحکام شرح غرر الأحکام ج: ۱ ص: ۲۱۸ ۔ قدیم۔

لباب المناسک مع سرحہ ص: ۹۳ ۔ دار الکتب العلمیۃ۔

(۲) قوله والتنعيم أفضله: موضع قريب من مكة عند مسجد عائشة وهو أقرب موضع من الحل۔ أى الإحرام منه للعمرة أفضل من الإحرام لها من الجعرانة وغيرها من الحل عندنا۔

شامی ج: ۲ ص: ۴۷۹ ۔ کراچی۔

حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ج: ۲ ص: ۸ ۔ امدادیہ ملتان۔

(۳) وأفضل بقاع الحل للإحرام بالعمرة: عند الحنفية والحنابلة: التنعيم۔ لأن النبى صلى الله عليه وسلم۔ أمر عبد الرحمن بن أبى بكر أن يعمر عائشة من التنعيم۔ لأنها أقرب الحل إلى مكة۔ وتحته فى التعليق: والتنعيم: المكان المعروف بمساجد عائشة۔ (الفقه الإسلامي وأدلته ج:۳ ص:۲۱۲۶)۔ دار الفكر المعاصر۔

کتاب النکاح

کسی نے اپنی سالی سے ہمبستری کری تو کیا نکاح ٹوٹ گیا ہے؟

سوال: حضرت اگر کوئی شخص اپنی سالی کے ساتھ ہمبستری کرے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی جواب مطلوب

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سالی کے ساتھ ہمبستری کرنے سے نکاح تو ختم نہیں ہوتا ہے عقد نکاح باقی رہے گا۔ البتہ یہ بہت بڑا گناہ اور باعث لعنت ہے۔

اگر سالی کو بیوی سمجھ کر وطی کرے اور بعد میں پتا چلے کہ یہ بیوی نہیں ہے تو ان کو چاہئے اس زانیہ کو ایک حیض آنے تک اپنی بیوی علیحدہ رہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

وفى الخلاصة وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته، وتحته فى الشامية: لا تحرم حرمة مؤبدة وإلا فتحرم إلى انقضاء عدة الموطوءة لو بشهة۔ (شامی ج:۳ ص:۳۷۔ کراچی)۔

لو وطئى أخت امرأته بشهوة حيث تحرم امرأته مالم ينقض عدة ذات الشبهة۔ (البحر الرائق ج:۳ ص:۹۶۔ سعيد)۔

امداد الأحکام ج:۳ ص:۲۴۶ ۔ زکریا۔

فتاویٰ محمودیہ ج: ۱۱ ص: ۴۰۹ ۔ شیخ الاسلام دیوبند۔

فون پر نکاح کرنے کا حکم

سوال: اُمید ہے کہ بخیر و عافیت ہو گے، فون پر نکاح کے جواز و عدم جواز کے

بارے میں برائے مہربانی جواب سے آگاہ فرمائیں

وجزاکم اللہ واَحسن اللہ اِلیکم

مستفتی: اب یاسر محمد کلیم اختر القاسمی مکۃ مکرمۃ

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

فون کے ذریعہ براہ راست نکاح درست نہیں ہے کیونکہ نکاح کی چند شرائط ہیں جن میں اتحاد المجلس بھی ایک ہے۔ یعنی عاقدین یا وکیل عاقدین کی مجلس کا ایک ہونا البتہ اس کی جائز شکل یہ بن سکتی ہے کہ کوئی ایک عاقد اپنا وکیل کو دوسرے عاقد یا ان کے وکیل کے پاس بھیج دے اور وہ وکیل نکاح کا انعقاد کرے۔

صاحب فتاویٰ خیریہ نے فون کے ذریعہ نکاح کا اعتبار کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ آواز جانی پہچانی ہو اور ایجاب وقبول دو گواہ سن رہے ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

ومن شرائط الإیجاب والقبول: اتحاد المجلس۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۳ص:۱۴۔ کراچی)۔

وأما الذی یرجع إلی مکان العقد فهو اتحاد المجلس إذا کان العاقدان حاضرین وهو أن یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحدٍ حتی لو اختلف المجلس لا ینعقد النکاح۔ (بدائع الصنائع ج:۳ص:۴۹۰۔زکریا دیوبند)۔

شرائط الإیجاب والقبول فمنها اتحاد المجلس إذا کان الشخصان حاضرین فلو اختلف المجلس لم ینعقد۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۸۳۔سعید کراچی)۔

هکذا: فی النهر الفائق ج:۱ ص:۱۷۸۔زکریا دیوبند۔

کل عقد جاز أن یعمده الإنسان بنفسه جاز أن یؤکل به غیره۔ (هدایه ج:۳ ص:۱۷۷۔اشرفی دیوبند)۔

ولو صرح بالتوکیل فقال وکلتک بأن تزوجنی نفسک منی فقالت زوجت

صح النکاح۔ (شامی ج:۳ص:۱۰۔کراچی)۔

ویصح النکاح بالوکالة والرسالة الکتابة لأنه عقد ینعقد بالرضا والإنابة۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۴ص:۱۲۶۔زکریا دیوبند)۔

اپنی بیٹی سے پیار سے بوسہ لینا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کا بوسہ لیا ہو۔ بچپن میں پیار سے، اور پھر وہی شخص بوسہ لیا ہو حالت بلوغ میں اگر باپ کے بوسہ لیتے وقت بیٹی کو شہوت آجائے تو یہ باپ اس لڑکی کی ماں کے لئے کیسا ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں مدلل جواب دیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اپنی یا دوسری کی چھوٹی اولاد سے محبت وشفقت کا بوسہ لینا شمائل نبویہ میں ہے۔(۱) ہر مسلمان کو اسے آپنانا چاہئے، لیکن جب اپنی لڑکی بڑی ہو جائے۔ یعنی حد شہوت کو پہونچ جائے، تو باپ کو چاہئے کہ اس کا بوسہ نہ لے۔ خواہ محبت سے کیوں نہ ہو چونکہ شہوت ایک مخفی چیز ہے۔ کیا پتہ ہے کہ کب کس کے اندر اس کا تحقق ہو جائے، اگر کوئی شخص اپنی بالغہ لڑکی کا بوسہ لے اور لڑکی کو شہوت آجائے تو بوسہ لینے والے کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هریرة رضی اللہ عنه قال: قال أبصر الأقرع بن حابس النبی صلی اللہ علیه وسلام۔ وهو یقبل الحسن والحسین فقال: إن لی من الولد عشرة ما قبلت أحدمنهم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ من لا یرحم لا یرحم۔

رواہ الإمام الترمذی فی سننه ج:۲ ص:۱۳۔ فی باب ماجاء فی رحمة الولد من کتاب البر والصلة)۔

رواه الإمام أبو داؤد فی سننه ج:۲ ص:۷۰۸۔ فی باب قبلة الرجل ولده من

کتاب الأدب۔

قوله عليه السلام: من مس امرأة بشهوة حرمت عليه أمها وابنتها۔ (هداية ج:۲ ص:۳۰۹۔اشرفيه)۔

تبيين الحقائق ج:۲ ص:۱۰۶۔إمدادية ملتان۔

أن المس والنظر سبب داع إلى الوطء فيقام مقامه في موضع الاحتياط۔ (هدايه ج:۲ ص:۳۰۹)۔

واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة۔ (منحة الخالق على البحر الرائق ج:۳ص:۹۸۔سعيد)۔

مستفاد من: فلو أيقظ زوجته، أو أيقظته هی لجماعها، فمست يده بنتها المشتهاة، أو يدها ابنه۔ حرمت عليه الأم أبدا۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۳ ص:۳۵۔کراچی)۔

کیا کوئی لڑکی اور لڑکا والدین کے بغیر شادی کر سکتے ہیں؟

سوال: کیا کوئی لڑکی اور لڑکا والدین کی رضامندی اور اجازت کے بغیر شادی کر لے جس میں مہر بھی متعین ہو، اور اس کے علاوہ نکاح کی تمام شرطوں کا تحقق ہو۔ تو ایسی صورت میں نکاح درست ہو جائے گا؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ عاقل آزاد بالغ اور بالغہ کی شادی والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بھی درست ہے۔ (۱) البتہ نابالغ ہونے کی صورت میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ (۲) لیکن والدین کی اجازت و رضامندی سے شادی کرنی چاہئے تاکہ لوگ کسی قسم کی طعن و تشنیع نہ کرسکیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) فلا جناح عليها فيما فعلن في أنفسهن۔ (سورة البقرة رقم الآية ص:۲۴۰)۔

وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي۔ بكراً كانت أو ثيباً۔ (هدايه ج:۲ ص:۳۱۳)۔ا

وإنما بطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب إلى الوقاحه، ولذا كان المستحب في حقها تفويض الأمر إليه۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۱۰۹)۔سعيد

(۲) ولا يصح تصرف صبي وعبد بلا إذن ولي وسيد، لأن الصبي عديم العقل، إذا كان مميزاً فعقله ناقص لعدم الاعتدال وهو البلوغ۔

(البحر الرائق ج:۸ص:۸۷۔سعید)

مجمع الأنهر ج:۴ص:۱۵۔فقيه الأمت۔

تبيين الحقائق ج:۴ص:۱۹۱۔إداديه ملتان۔

فتح القدير ج:۸ص:۱۸۶۔دار إحياء التراث العربي۔

نکاح سے پہلے اگر جہیز کا سامان دے دیا جائے تو اس کا کیا حکم

سوال: زید کا نکاح ہو رہا ہے زید کے سسرال والے زبردستی سامان دے رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں ہم آپ کو یا آپ کے گھر والوں کو نہیں دے رہے ہیں۔ اپنی بیٹی کو تحفہ دے رہے ہیں۔ اور جو اپنی بڑی بیٹی کو دیئے تھے وہی دینگے نہیں تو چھوٹی بیٹی زندگی بھر کوسے گی اور روز قیامت کہے گی ہمارے درمیان باپ نے دو نظری کی ہے۔

اس صورت میں زید کیا کرے؟ اور اگر زید کے گھر سامان آنا درست ہے تو نکاح سے پہلے سامان آنا درست ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اپنی بیٹی کو کسی بھی وقت کچھ بھی باپ دے سکتا ہے، (۱) شادی کے موقع پر ہو، یا

دوسرے کسی موقع پر۔ البتہ شادی کے موقع پر باپ اپنی بیٹی کو جو سامان دیا کرتا ہے۔ اس کو عرف میں جہیز کہا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو جہیز ہے۔ وہ تو خلاف سنت ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی بیٹی کو رقم کی شکل میں کچھ تحفہ دے دے جو اس کے کام آئے۔ صورت مسئولہ میں جبکہ والدین نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ یہ سامان ہم اپنی بیٹی کو دے رہے ہیں۔ تو زید بطور امانت اس کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے، اس کو بیوی ہی استعمال کر سکتی ہے شوہر نہیں۔ (۲)

الدليل على ما قلنا:

(۱) رجل له ابن وابنة أراد أن لهما شيئًا، ويفضل أحدهما على الآخر في الهبة، فلا بأس بتفضيل بعض الأولاد على البعض۔ إذا لم يقصد الإضرار۔ (الفتاویٰ الخانية على هامش الهندية ج:۳ ص: ۲۷۹۔ رشيديه)۔

هكذا في شامي ج:۵ ص: ۶۹۶۔ كراچی۔

هندية ج:۴ ص: ۳۹۱۔ رشيديه۔

الإيداع مشروع ومندوب۔ وهو تسليط الغير على حفظ ماله۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۵ ص: ۴۰۱۶۔ دار الفكر المعاصر)۔

وجوب الحفظ والأداء عند الطلب۔ استحباب قبولها۔ (البحر الرائق ج:۷ ص: ۲۷۳۔ سعيد)۔

(۲) وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة۔

(المبسوط للسرخسي ج: ۱۱ ص: ۱۲۲۔ دار الكتب العلمية بيروت)۔

کتاب الطلاق

ایک طلاق سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

سوال: ایک ساتھ دو طلاق دی ہو وہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایک ساتھ دو طلاق دینے سے جس طرح طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح طلاق بائن بھی ہوتی ہے۔ البتہ طلاق رجعی واقع ہونے کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔

طلاق کا دخول کے بعد (یعنی میاں بیوی کی صحبت کے بعد) ہونا۔

کسی عوض کے مقابلہ میں نہ ہونا۔

طلاق تین عدد کے ذریعہ نہ ہونا۔ خواہ وضاحت کے طور پر ہو یا اشارہ ہو۔

طلاق کو ایسی صفت کے ساتھ متصف نہ بنانا جو طلاق بائن کا فائدہ دیتی ہے۔ یا اس پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے حرف عطف کو ذکر نہ کرنا۔

یا طلاق کو ایسی عدد یا صفت کے ساتھ ذکر نہ کرنا جو طلاق بائن پر دلالت کرتی ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترضِ لقوله تعالیٰ: فامسكوهن بمعروف۔ (هدايه ج:۳ ص: ۳۹۴۔

(۲) فالرجعي أن يكون الطلاق بعد الدخول حقيقة ليس مقروناً بعوض ولا بعود الثلاث لا نصاً ولا إشارة ولا موصوفاً بصفة تنبئ عن البينونة أو تدل عليها من غير حرف العطف ولا مشبه بعدد أو صفة تدل عليها أما الصريح البائن فبخلافه۔ (البحر الرائق ج:۳ ص: ۲۵۶۔ سعيد كراچی)۔

(۳) قوله: إن لم يطلق بائناً. بيان لشرط الرجعة ولها شروط خمس تعلم بالتأمل. شرنبلالية قلت وهي أن لا يكون الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة. ولا واحدة مقترنة بعوضٍ مالي ولا بصفة تنبئ عن البينونه كطويلٍ أو شديدة ولا مشبهة كطلقة مثل جبل ولا كناية يقع بها بائن. (شامي ج:۳ ص:۴۰۰. كراچي).

(۴) أما الطلاق الرجعي.... وذلک بعد الطلاق الأول والثاني غير البائن إذا تمت المراجعة قبل انقضاء العدة. (الفقة الاسلامي ج:۹ ص:۶۹۵۵. دار الفكر).

(۵) الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۴۷۰. رشيديه.

(۶) فتح القدير ج:۴ ص:۱۴. دار إحياء التراث.

کیا عمر قید فسخ نکاح کا سبب بنتا ہے؟

سوال: ایک آدمی کو جرم کے سبب پکڑا گیا تین سال کورٹ اس کی حاضری ہوئی۔ پھر اس کی جرم ثابت ہونے پر قاضی صاحب نے عمر قید کا فیصلہ کیا ہے۔ ابھی آیا کہ اس کی بیوی جوان ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمر قید کیا فسخ نکاح کا سبب ہے؟ اور اگر عورت کورٹ میں مقدمہ پیش کرے تو قاضی صاحب کا فیصلہ کرنا درست ہے؟ اور اگر قاضی صاحب فسخ نکاح کا فیصلہ کردے تو عورت کے لئے دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جبکہ عورت جوان ہے تو ان کو چاہئے کہ وہ قاضی صاحب کے پاس جائے اور اپنا مقدمہ پیش کرے۔ اگر چہ اس کے پاس نان ونفقہ ہو۔ کیونکہ عزت وآبروں کی حفاظت وعصمت کا مسئلہ نان ونفقہ سے زیادہ اہم ہے۔ اور قاضی صاحب کو چاہئے کہ سب سے پہلے شوہر کے پاس کسی کو بھیجے یا خود جائے اور طلاق کا مطالبہ کرے۔ پھر اگر طلاق دینے سے

انکار کرے تو خلع کا مطالبہ کرے اور اگر خلع سے بھی انکار کرے تو قاضی صاحب کو چاہئے کہ وہ مصلحت کی طرف خیال کرتے ہوئے چار سال کے حساب سے شوہر کو غائب فرض کر فسخ نکاح کا فیصلہ کردے۔

اور اگر کسی جگہ میں قاضی صاحب نہ رہے تو اس معاملہ کو کسی عالم متبحر کو اس کے قائم مقام بنائے اور فسخ نکاح کا فیصلہ ہونے کے بعد عورت کو عدت طلاق گذرنے کے بعد دوسری کسی جگہ میں شادی کرنے کی گنجائش ہے۔

الدليل على ما قلنا:

قال الشبر خيطي: في هذا المحل بشرط أن تدوم لكل زوجة الأسير ومفقود أرض الشرک وإلا فلها الطلاق واذا ثبت لهما الطلاق بذلک فليثبت لهما إذا احتسبتا الزنى بالأولىٰ. لأن مرر لوطئي أشد من ضرر عدم النفقة. (فتاوىٰ علماء مالكيه مع الحيلة الناجزة للحليله العاجزة ص: ۲۶۲).

وقال مالک والأوزاعي: إلى أربع سنين فينكح عرسه بعدها. فلو افتى به في موضع الضرورة. ينبغي أن لا بأس على ما أظن. (جامع الرموز ج:۳ ص:۳۹۰. كتاب المفقود).

مذهب مالک والقديم من مذهب الشافعي تقديره بأربع سنين لكن في حق عرسه لا غير فتنكم بعدها كما في النظم.

فلو أفتى به في موضع الضرورة:. ينبغي أن لا بأس به على ما أظن كذا في القهستاني. (الدر المنتقى على هامش المجمع الأنهر ج:۲ ص:۵۴۰. فقيه الأمة).

مما لم ينضم اليه القضاء لا يكون حجة. (الدر المختار مع رد المحتار ج:۴ ص:۲۹۷. كراچي).

أما الأمير متى صادف فصلاً مجتهداً نفذ أمره وتحته في الشامية وجب امتثاله.

(الشامی ج:۵ ص:۴۰۹۔ کراچی)۔

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء۔۔۔۔ وإن كانت ممن لا تحيض من صغرٍ أو كبرٍ فعدتها ثلثة أشهر۔ (هدايه ج:۲ ص:۴۰۳۔ ۴۰۲۔ کتب خانه رشيديه دهلي۔

إعلاء السنن ج:۱۳ ص:۲۶۔ ادارة القرآن کراچی۔

جاؤ میں نے تجھے چھوڑ دیا کہنے کا حکم

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام، زید نے اپنی بیوی سے کہا غصے کی حالت میں ''جاؤ میں تجھے چھوڑ دیا، طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا، تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ المستفتی عالم موتی ہاری۔

الدلیل علی ماقلنا:

برصحت تقدیر سوال زید کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے چونکہ یہ لفظ ہمارے اردو محاورہ میں طلاق کے الفاظ صریحہ میں سے ہے جس کی صراحت فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ محمودیہ میں موجود ہے، اب شوہر کے لئے عدت کے اندر رجعت کرنے کی گنجائش ہے۔ زید کو اس بات کی طرف خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ صرف دو طلاق کا مالک رہے گا۔

الدلیل علی ماقلنا:

إن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت۔ (شامی ج:۳ ص:۲۹۹۔ کراچی)۔

سمحتک، فإن ''سرحتک'' كناية، ولكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح۔ فإذا قال ''رها كردم'' أي سرحتك يقع به الرجعي۔ مع أن أصله كناية ايضاً۔ (شامی ج:۳ ص:۲۹۹۔ کراچی)۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض۔ (هدايه ج:۲ ص:۳۹۴۔ تھانوی)۔

فتاویٰ محمودیہ ج:۱۲ ص:۳۴۲۔ شیخ الاسلام۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج:۹ ص:۴۲۸۔

مزنیہ سالی کو ایک حیض آنے تک اپنی بیوی سے علیحدہ رہنے کی کیا حکمت ہے؟

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی سالی کو بیوی سمجھ لے۔ اور بعد میں پتہ چلے کہ یہ سالی ہے تو ایسی صورت میں اپنی بیوی سے اس مزنیہ کو ایک حیض آنے تک علیحدہ رہنا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اپنی بیوی سے ایک حیض تک علیحدہ رہنے میں کیا حکم ہے؟ جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر سالی کو بیوی سمجھ کر ہمبستری کرے، اور پھر پتہ چلے کہ یہ سالی ہے تو ایسی صورت میں اس مزنیہ کو ایک حیض آنے تک زانی اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز اپنے نطفہ کو دو بہنوں کے رحم میں ایک ساتھ جمع نہ کرے۔ اور ایک حیض انتظار کرنے کے لئے اس لئے کہا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ زنا کی وجہ سے اس کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ٹھہرا ہو جس کی دلیل حیض کا آنا ہے تو ایسی صورت میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کر سکتا ہے۔

اور اگر معلوم ہوا اس کے نطفے سے اس مزنیہ کو حمل ٹھہر گیا ہے۔ جس کی دلیل مزنیہ کو صحبت کے بعد حیض کا نہ آنا ہے۔ تو وضع حمل تک اپنی بیوی سے الگ رہنا ہوگا۔

الدلیل علی ماقلنا:

لقوله عليه السلام۔ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجمعن ماءه في رحم

اختین۔(نصب الرایہ فی تخریج احادیث الهدایة ج:۳ ص:۱۶۸)۔

لو زنت۔۔۔ حرمت علی زوجها حتی تحیض وتطهر۔۔۔۔ معللاً باحتمال علوقها من الزنا۔(النهر الفائق ج:۲ ص:۱۸۹۔زکریا)۔

وحکم العدة من الزنا، والعدة من وطء الشبهة کحکم العدة من النکاح۔۔۔۔۔

فإن زنی بأخت امرأته۔۔۔ یمسک عن وطء امرأته حتی تحیض المزنی بها۔ (الفقه الاسلامی ج:۹ ص:۶۶۶۶ دار الفکر)۔

مزنیہ کو اگر حیض نہ آئے تب کیا کریں

سوال: لیکن اگر مزنیہ کو حیض نہ آئے تو ایسی صورت میں بیوی کا کیا حکم ہے؟ جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر سالی کو بیوی سمجھ کر وطی کرلے، اور پھر پتہ چلے کہ یہ سالی ہے تو ایسی صورت میں جب تک اس مزنیہ کو ایک حیض نہ آئے اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، مزنیہ اگر حیض والی عورت ہو تو ایک حیض گذاریگی۔ اور اگر حیض والی نہ ہو جیسے، چھوٹی ہو۔ یا بوڑھی ہو۔ تو ایسی صورت میں وہ ایک مہینہ تک انتظار کرے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

وان کانت ممن لا تحیض من صغرٍ أو کبرٍ فعدتها ثلاثة أشهرٍ لقوله تعالیٰ۔ (واللائی یئسن من المحیض من نسائکم)۔

هدایه ج:۲ ص:۴۲۳۔اشرفی هکذا فی فتح القدیر۔

ج:۴ ص:۱۳۹۔دار إحیاء التراث العربی۔

البحر الرائق ج:۴ ص:۱۳۰۔سعید۔

ایک طلاق شدہ عورت پر عدت لازم ہے

سوال: ایک طلاق شدہ عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب دیکر شکریہ کا موقع دینگے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر مطلقہ عورت پر عدت واجب ہے۔ خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ کیوں نہ ہو۔ سوائے اس عورت جس کو دخول یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ اس پر عدت نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء۔(سورة البقرة: رقم الآیة)۔

ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها۔ (سورة الاحزاب: رقم الآیة)۔

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعیاً۔۔۔ وهی ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراءٍ۔(هدایه ج:۲ ص:۴۲۲۔تهانوی)۔

وهی تربص یلزم المرءة عند زوال النکاح المتأکد بالدخول أو ما یقوم مقامه من الخلوة الخ۔(فتح القدیر ج:۴ ص:۱۳۵۔دار إحیاء التراث العربی)۔

ولا عدة علی المرءة قبل الدخول اتفاقاً لقوله تعالیٰ۔ فما لکم علیهن من عدة تعتدونها۔

وعلی المدخول بها عدة جماعاً سواء أکان سبب الفرقة طلاقاً أم فسخاً وفاة۔ (الفقه الخالق علی البحر الرائق ج:۴ ص:۱۲۸۔سعید)۔

فسخ نکاح میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت کیوں ہے؟

سوال: طلاق، خلع یہ دونوں میاں اور بیوی کی باتوں سے انعقاد ہوجاتے ہیں، اب

سوال یہ ہے کہ فسخ نکاح کے لئے کیونکر قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

طلاق شوہر کی جانب سے ہوتی ہے، اور خلع کا مطالبہ بیوی کی جانب سے ہوتا ہے البتہ اس میں بھی زوجین کی رضامندی شرط ہے اس لئے طلاق اور خلع تو میاں بیوی کی باتوں سے ہوجاتے ہیں۔ لیکن فسخ نکاح دونوں کی جانب سے ہوسکتا ہے۔ اس لئے فسخ نکاح کی کچھ ایسی صورتیں ہیں جس میں قاضی صاحب کا فیصلہ ہونا شرط ہے۔ چونکہ اس میں کسی ایک جانب سے سرکشی اور حد سے تجاوز ہونے کا ڈر ہے۔ فسخ نکاح کی چند صورتیں جس میں قاضی صاحب کا فیصلہ ہونا شرط ہے۔

عدم کفاءت کے بسبب فسخ نکاح کا ہونا۔

مہر: مہر مثل سے کم ہونے کے سبب نکاح کا ہونا۔

زوجین میں سے کسی نے اسلام قبول کرلیا جبکہ دوسرے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل۔ الطلاق لمن أخذ بالساق۔ (سنن النسائی ص: ۱۵۱۔ مکتبہ ملت۔ باب طلاق العبد)۔

أخذ مال المرءة بازار ملک النکاح بلفظ الخلع۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۱۹ ص: ۲۳۴)۔

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللہ فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به۔ (هدایه ج: ۲ ص: ۴۰۴۔ اشرفی دیوبند)۔

وأما فرق الفسخ المتوقفة علی القضاء فهی۔ الفرقة بسبب عدم الکفاءة۔ الفرقة بسبب نقصان المهر عن مهر المثل، الفرقة بسبب إباء أحد الزوجین الاسلام إذا أسلم الآخر۔ (الفقه الاسلامی وادلته للوحیلی ج: ۹ ص: ۶۸۷۱۔ دار الفکر)۔

و لا یفرق بینه أی المفقود و امرأته۔۔۔ والمختار أنه یفوض إلیٰ رأی الامام، کذا فی التبیین۔۔ وإذا حکم بموته اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذلک الوقت۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۲ ص: ۳۰۹۔ زکریا)۔

ماں کے غصہ کرکے بیوی کو طلاق دینا

سوال: ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ غصہ کرکے مارنے کے لئے جارہا تھا، اسی دوران اس کی بیوی نے آکر ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔ تو فوراً شوہر نے کہا کہ جا تو ایک طلاق، دو طلاق، پھر اس کے پڑوسی لوگوں نے آکر اسے روکا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ (۲) اگر طلاق واقع ہوئی تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟ (۳) اب شوہر کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ بہت جلد جواب دے کر مشکور وممنون ہونگے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

برتقدیر صحت سوال اس نے اپنی ماں کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہ بہت ہی افسوس ناک اور قابل مذمت ہے۔ جس سے توبہ کرنا اور ماں سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ البتہ صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے۔ لہٰذا شوہر کے لئے رجعت کی گنجائش ہے۔ (۱) تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس کا ضرور خیال رہے کہ شوہر آگے صرف ایک طلاق کا مالک رہے گا، اگر کبھی بھی ایک طلاق دے دیگا۔ تو طلاق مغلظہ ہوجائے گی بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنی بیوی کو رکھنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) (صریحه مالم یستعمل إلا فیه) ولو بالفارسیة (کطلقتک وأنت طالق ومطلقة) بالتشدید (ویقع بها) أی بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصریح۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۳ ص: ۲۴۷)۔ کراچی۔

(۲) ثم ما كان من الصريح لا يحتاج فيه إلى النية۔

تحفة الفقهاء ج:۲ ص:۱۷۶۔بیروت۔

شامی ج:۳ص:۴۳۷۔ کراچی۔

النهر الفائق ج:۲ ص:۳۲۵۔کراچی۔

البحر الرائق ج:۳ص:۲۷۹۔دار الکتاب الاسلامی۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها فی عدتها رضيت بذلک أو لم ترض، لقوله تعالیٰ۔(فأمسكوهن بمعروف)۔

ھدایہ ج:۲ ص:۳۹۴۔دار الکتاب دیو بند)۔

أما الطلاق الرجعی: فهو الذی يملک الزوج بعده إعادة المطلقة إلى الزوجية من غير حاجة إلى عقد جديد ما دامت فی العدة، ولو لم ترض وذلک بعد الطلاق الأول والثانی غير البائن إذا تمت المراجعة قبل انقضاء العدة۔(الفقه الاسلامی وأدلته ج:۹ ص:۶۹۹۵)۔دار الفکر المعاصر۔

قوله وتصح فی العدة إن لم يطلق ثلاثاً ولو لم ترض براجعتک أو راجعت امرأتی وبما يوجب حرمة المصاهرة۔ (البحر الرائق ج:۴ ص:۵۴۔ دار الکتاب الاسلامی)۔شامی ج:۳ص:۳۹۸۔کراچی۔

كتاب البيوع

بیع معاومہ کی تعریف

سوال: حدیث پاک میں بیع معاومہ سے منع کیا گیا اس کا مصداق کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

حدیث پاک میں بیع معامہ سے منع کیا یا ہے اس کا مصداق یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ کوئی سالوں کے لئے بیچ دے یہ بیع جائز نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) قال الشيخ الدهلوی: المعامة وهو بيع ثمر النخل والشجر سنتين فصاعداً۔

قال فی المشارق: وهو بيع ثمر الشجرة سنتين وهو من بيعه قبل طيبه۔

قال بعضهم: وهو أكثراء الارض سنتين۔ (حاشية أبی داؤد ج:۱ ص:۴۷۹۔ بلال)۔

(۲) المعاومة المراد بيع ما تحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فأكثر وهذا البيع باطل لأنه بيع ما لم يخلق۔ (بذل المجهود ج:۱۱ ج:۲۷۰۔مرکز الشیخ)۔

(۳) أما قوله المعاومة فهی بيع ثمر النخل أو الشجر سنتين فصاعداً۔ (حاشية الترمذی ج:۱ ص:۲۴۵۔بلال)۔

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کا حکم

سوال: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز و عدم جواز کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب لکھیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر پھل درخت پر تیار ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

الصورۃ الأولی: پہلے صورت بیع بشرط القطع ہے یعنی پھل کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل توڑ کر لے جاؤ۔ اور پھل فی الحال توڑ لے جانا بیع کے اندر شروط ہو تو بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ وہ پھل قابل انتفاع ہو، اگر قابل انتفاع نہ ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے، بعض حضرات ناجائز ہونے پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

دلیل هذه الصورة

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومن باع ثمرة لم يبدو صلاحها أو قد بدأ جاز البيع وعلى المشترى قطعها في الحال تفريغاً لملك النائع۔ (الهداية ج:۳ ص:۲۷۔ بلال)۔

(۲) ومن اشترى فصيلاً أو ثمراً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها بالبيع باطل۔ (الكافي ج: ۱ ص:۴۰۴)۔

(۳) فإن اشترى أحد و اشترط أن يتركه إلى أن يبلغ فلا خير في الشراء۔ (كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴۔ دار الحديث)۔

(۴) وكذا في المغني ج:۵ ص:۴۸۶۔ (دار الحديث)۔

(۵) وكذا في الموسوعة الفقهية ج:۱۵ ص: ۱۱۔

الصورۃ الثانیۃ: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع ومشتری بیع کرلیں لیکن عقد بیع کے اندر شرط لگا دیں کہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پکنے کے بعد مشتری پھل کاٹ کر کے لے جائے گا ایسی بیع کو بیع بشرط الترک کہتے ہیں یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۱) وإن شرط تركها على النخيل افد البيع۔ (الهداية ج:۳ ص:۲۷۔ بلال)۔

(۲) ومن اشترى فصيلاً أو ثمراً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها فالبيع باطل۔ (الكافي ج: ۱ ص:۴۰۴)۔

(۳) فإن اشترط۔ أحد أن يتركه إلى أن يبلغ فلا خير فيه۔ (كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴، دار الحديث)۔

(۴) وكذا في المغني ج:۵ ص:۴۸۶۔ (دار الحديث)۔

الصورۃ الثالثۃ: تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کرلیں ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہ لگائیں۔ ایسی بیع کو "مطلق عن شرط القطع والترک" کہتے ہے۔ اس صورت میں جواز وعدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۱) أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي لأن إطلاق العقد يقتضي القطع۔ ولنا أي دلائل الأئمة الثلاثة أن النبي صلى الله عليه وسلم أطلاق النهى عن بيع الشجرة قبل بدو صلاحها فيدخل فيه محل النزاع۔ (المغني ج:۵ ص:۴۸۶)۔

(۲) وكذا في كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴۔

(۳) وكذا في لكافي ج: ۱ ص:۴۰۵۔

بدو صلاح سے کیا مراد ہے؟ اور حضرات فقہاء کی آراء

سوال: حضور نے بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے بدوصلاح سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں کیا حضرات فقہا کا اختلاف ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بدو الصلاح سے مراد پھلوں کا ہلاکت سے مامون ہو جانا ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک پھلوں کی پختگی اور مٹھاس ظاہر ہونا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کے

نزدیک پھلوں کا ضائع ہونے اور نقصان ہونے سے مامون ہو جانا ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک وہ اگر کھجور ہو تو اس میں زردی اور سرخی رنگ ظاہر ہونا ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ دوسری قسم کے پھل ہوں تو اس میں ایسا رنگ ظاہر ہو جائے جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ یہ پھل اچھا ہو گیا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) المالكية: بدو صلاحها أن يزهو بصفرة أحمرة إن كانت نخلاً وأما التين والعنب والزيتون والخوخ والتفاح وأما ما أشبه ذلك فإن بدا طيب أوله وتكون منه مالونه علافة طيبه۔ (الكافي ج: ۱ ص: ۴۰۲)۔

(۲) الشافعية: وعند الشافعی هو ظهور النضج وبدو الحلاوة۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۴ ص: ۵۵۵۔ کراچی۔

(۳) الحنبلة: أن تؤمن من تلف الشجرة وحدوث العاهة عليها۔ (المغنی ج:۵ ص: ۴۸۶۔ دار الحديث)۔

(۴) الحنفية: بدو الصلاح عندنا أن تومن العاهة۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۴ ص: ۵۵۵۔ کراچی)۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف۔

ایسی صورت میں یعنی بدو صلاح سے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) البيع بشرط القطع۔

پھل کی بیع ہو جانے کے بعد فی الحال توڑ لے جائینگی شرط بیع کے اندر ہو۔ اگر وہ پھل قابل انتفاع ہو تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔ اگر قابل انتفاع نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے علاوہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۲) البيع بشرط الترک۔

یعنی عقد بیع کے اندر پھل درخت پر چھوڑ دینے کی شرط میں بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۳) مطلق عن الترک والقطع

بیع مکمل ہو جائے لیکن چھوڑنے یا کاٹنے کی شرط نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) من اشترى فصيلاً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها بالبيع باطل۔ (الكافی ج: ۱ ص: ۴۰۴)۔

(۲) ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدأ جاز البيع وعلى المشترى قطعها فی الحال تفريغاً لملك البائع۔ (الهداية ج:۳ ص: ۲۷۔ بلال)۔

(۳) فإن اشترط أحد على أن يتركها إلى أن يبلغ فلا خير فی الشراء۔ (كتاب الأم ج:۴ ص: ۱۴)۔

(۴) وإذا اشترى الشجرة دون الأصل ولم يبدو صلاحها على الترک إلى الحذار لم يجز وإن اشتراها على القطع جاز۔ (المغنی ج:۵ ص: ۴۸۶۔ دار الحديث)۔

(۵) وكذا فی المغنی ج:۵ ص: ۴۸۶۔

درخت پر پھل آنے سے پہلے باغات کو کئی سالوں کے لئے فروخت کرنے کا حکم

سوال: درخت پر پھل آنے سے پہلے پھل کو ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت کرنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے متعلق صریح صحیح روایات موجود ہیں حدیث پاک میں ایسی بیع کو معاومہ کہا گیا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن المعاومة وفی لفظ بيع السنين۔ (أبوداؤد ج:۱ ص:۴۷۹۔ ترمذی ج:۱ ص:۲۴۵۔بلال)۔

(۲) عن جابر بن عبداللہ قال نهى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلة والمذابنة والمخابرة قال أحدهما بيع السنين هي المعاومة۔ (مسلم ج:۲ ص:۱۱۔بلال)۔

ایسے باغوں کو بیچنے کا حکم جس کے کچھ درختوں پر پھل آیا اور کچھ پر نہیں آیا

سوال: باغ کے کچھ درختوں پر پھل آگئے اور کچھ پر نہیں آئے اس صورت میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں حضرت امام مالک کے نزدیک یہ بیع جائز ہے لیکن حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔البتہ لیث بن سعد اور ابن خرم کے نزدیک باغ میں اگر مختلف قسم کے درخت ہوں اور ان میں سے کچھ درخت پر پھل تیار ہوں تو پورے باغ کو فروخت کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلك لم يصح البيع عند أبي حنيفة والشافعي وأحمد وقال مالك يجوز۔ (فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۔ دار إحياء التراث)۔

(۲) فبيع ثمار الحائط الجامع لأصناف الشجرة صَفقة واحدة بعد ظهور الطيب في شيئ فيه جائز وهو قول ليث بن سعد لأنه بيع ثمار قد بدأ صلاحها۔ ولم يقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن ذلك لا يجوز إلا في صنف واحد۔ (البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۱۔سعيد)۔

(۳) وكذا في فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰۔(دار إحياء التراث)۔

(۴) وكذا في الدر المختار مع الشامي ج:۴ ص:۵۵۵۔(کراچی)۔

(۵) وكذا في الموسوعة الفقهية۔ ج:۱۵۔ص:۱۱۔

پھل قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کرنے کا حکم

سوال: درخت پر پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہیں اس صورت میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ایسے پھل کو اگر اس شرط پر خریدا جائے کہ خریدار فوراً توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔اور اگر چھوڑنے کی شرط لگائے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ اگر بائع کی اجازت سے خریدنے کے بعد چھوڑ کر رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر کسی قسم کی شرط نہ ہو تو یہ صورت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور حضرت ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) الصورة الثالثة: أن يكون على حالة بحيث لا ينتفع أصلاً والبيع فى هذه الصورة مختلف فى صحته والصحيح أنه يجوز لأنه قال وإن لم يمكن الانتفاع به فى الحال ولكن الانتفاع به بعد حين۔ (الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴)۔

(۲) و كذا فى فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰۔ (دار إحياء التراث)۔

(۳) و كذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۲۱۶۔ (زكريا)۔

(۴) و كذا فى المغنى ج:۵ ص:۴۸۶۔

(۵) و كذا فى الكافى ج:۱ ص:۴۰۴۔

(۶) و كذا فى كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴۔ (دار الحديث)۔

فوری طور پر توڑ کر لینے کی شرط بیچنا کیسا ہے؟

سوال: اگر پھل کی فروخت اس طرح ہو کہ پھل جس حال میں ہے اس حال میں خریدار اس کو توڑ لے گا تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر پھل کی فروخت بدو صلاح کے بعد ہو تو اس صورت میں بیع کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اگر بدو صلاح سے پہلے ہو اور وہ پھل قابل انتفاع ہو تو اس صورت میں بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر قابل انتفاع نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہے، اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) القسم الثانى: أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالإجماع لأن البيع إنما كان حذفاً من تلف الشجرة وحدوث العاهة عليها۔ (المغنى ج:۵

ص:۴۸۶)۔

(۲) فالذى اتفقوا عليه من حيث الجملة الانتفاع أي يكون الثمار المقطوعة منتفعاً بها والجمهور على أنه يجب أن تكون منتفعاً بها عند القطع والخفية على مطلق الانتفاع۔ (الموسوعة الفقهية ج:۱۵ ص:۱۱)۔

پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر چھوڑنے کی شرط فروخت کرنے کا حکم

سوال: اگر بائع و مشتری کے درمیان یہ طے ہے کہ پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر موجود رہے گا تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر بائع و مشتری کے درمیان یہ طے ہے کہ پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر موجود رہے گا اور عقد بیع کے اندر چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں بیع جائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ولو اشترى الشجرة التى لم يتناه عظمها ولم يشترط الترك فإن كان باذن البائع طاب له الفضل۔ (فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰، دار إحياء التراث)۔

(۲) و كذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۲۱۶۔ (زكريا)۔

(۳) و كذا فى الفقه على المذاهب الاربعة۔ ج:۲ ص:۲۳۴۔

کسی قسم کی شرط کے بغیر خریدنا

سوال: خریدنے کے بعد نہ فوراً توڑنے کی شرط ہو نہ چھوڑنے کی شرط ہو تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) القسم الثالث: أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقيه فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي وأحمد وأجازه أبو حنيفة لأن إطلاق العقد يقتضي القطع كما هو تو اشترطه۔ (المغني ج:۵ ص:۴۸۶)۔

(۲) وكذا في الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴۔

(۳) وكذا في البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۱۔

پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر چھوڑنے کی شرط فروخت کرنے کا حکم

سوال: مشتری نے پھل خریدا اور پھل توڑنے تک درخت کو بائع سے کرایہ لیا تالہ پھل درخت ہی پر تیار ہو جائے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مشتری نے پھلوں کو مطلقاً خریدا یعنی چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی لیکن پھل کو پکنے کے لئے درخت پر چھوڑ دیا اور تیار ہونے کے بعد مشتری نے اس کو توڑا تو مشتری کے لئے یہ جائز ہے لیکن اجارہ باطل ہے لہٰذا بائع کرایہ کا حقدار نہیں ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو باع مالم يتناه عظمه مطلقاً عن الشرط ثم تركه فأما بإذن البائع إذناً محدداً أو بإذن فيه بأن استأجر الأشجار إلى وقت الإدراك أو بلا إذن ففي

الصورتين الأولين يطيب له الفضل۔۔۔۔ وأما الإجاره فلأنها اجارة باطلة لعدم التعارف في إجارة الاشجار والحاجة۔ (فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰۔ دار إحياء التراث)۔

پھول کے آنے سے پہلے پھل کی بیع میں امام مالک کی رائے

سوال: کیا حضرت امام مالک کے نزدیک پھل کی بیع پھول کے آنے سے پہلے جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق پھل کی بیع پھول آنے سے پہلے جائز نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن يظهر وفي عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترك۔ (البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۳۔ سعيد)۔

(۲) وكذا في فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۱۔ (دار إحياء التراث)۔

(۳) وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۳۱۶۔ (زكريا)۔

(۴) وكذا في الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴۔

ماہانہ یا سالانہ کمیشن پر تجارتی نفع کرنے کا حکم

سوال: اگر کسی ہوٹل یا تجارتی مرکز کسی دلال کے ذریعہ خریدا جائے اور دلال نفع پر ماہانہ یا سالانہ کمیشن طے کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اس قسم کی خرید وفروخت تو درست ہے اور دلال اپنی محنت کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

بیع السمسرة هی الوساطة بین البائع والمشتری لإجراء البیع والسمسرة جائزة والأجر الذی یأخذه السمسار حلال لأنه أجر علی عملٍ وجهد معقولٍ۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۵ ص:۳۳۲۶۔ دار الفکر)۔

(۲) اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے۔

عقد الإجارة لا یجوز إلا أن یبین البدل من الجانبنی جمیعاً۔۔۔ أما الأجر إن کان دنانیر أو دراهیم فالشرط بیان القدر ویقع علی نقد البلد وإن کانت النقود مختلفة تقع علی الغالب وإن کانت الغلبة مختلفة فالإجارة فاسدة۔ (خلاصة الفتاویٰ ج:۳ ص:۱۰۳۔ اشرفیه)

اورصورت مسئولہ میں اجرت متعین نہیں ہے اس لئے یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

قسط پر بیع وشراء کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص ایک گاڑی جس کی قیمت مثال کے طور پر ایک لاکھ ہے اور بیچنے والا اس کو ادھار ایک لاکھ دس ہزار روپئے میں ماہانہ ایک سال تک قسطوں کی ساتھ دیتا ہے، تو اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

آج کل قسط پر جو بیع وشراء ہوتی ہے اس میں بائع اور مشتری دونوں کے لئے سہولت ہے۔ اس کی صورت اگر ایسی ہو کہ بائع مشتری سے بیع کو ایک متعینہ قیمت پر بیچ دے، اور بائع مشتری سے کہے کہ اگر ثمن کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی تو دس ہزار زیادہ دینا ہوگا۔ تو ایسی صورت میں بائع کے لئے عقد پر متعینہ ثمن سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

اور اگر بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ اگر نقد خرید و گے تو ایک لاکھ روپئے اس کی قیمت

ہے اور ادھار خرید و گے تو ایک لاکھ دس ہزار ہے۔ پھر بائع نے بیچ دیا۔ اور مشتری نے کسی جانب کو متعین نہیں کیا۔ تو ایسی صورت میں ثمن متعین نہ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

اس کی جائز متبادل شکل یہ ہے کہ بائع عقد کے وقت مشتری سے کہے کہ یہ مبیع تم سے ادھار پر ایک لاکھ دس ہزار روپے میں بیچ رہا ہوں، اور تم اس کا ثمن قسط پر ادا کر دینا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی حرة الرقاشی عن النبی۔ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ أنه قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفسه۔ (رواه الدار قطنی فی سننه: ج:۳ ص:۲۲۔ دار الإیمان)۔

(۲) ویجوز البیع بثمن حال، ومؤجل، إذا کان الأجل معلوماً۔ (هدایة ج:۳ ص:۲۱)۔

(۳) وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بیعتین فی بیعة، أن یقول: أبیعک هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسیئة بعشرین، ولا یفارقه علی أحد البیعتین، فإذا فارقه علی أحدهما، فلا بأس إذا کانت العقدة علی واحد منهما۔ (سنن الترمذی: ج:۱ ص:۲۳۳۔ مکتبه بلال)۔

(۴) رجل باع علی أنه بالنقد بکذا، وإلیشهر بکذا، وإلی شهرین بکذا، لم یجز۔ (الفتاویٰ الهندیة: ج:۳ ص:۱۳۶۔ رشیدیة)۔

(۵) والعقد فاسد لجهالة الثمن۔ (هدایة ج:۳ ص:۳۴)۔

(۶) ویجوز للمشتری أن یزید للبائع فی الثمن، ویجوز للبائع أن یزید للمشتری فی المبیع، ویجوز للبائع أن یزید للمشتری فی المبیع، ویجوز أن یحط عن الثمن۔ (هدایة ج:۳ ص:۷۵)۔

جماعتِ ثانیہ

سوال: کسی مسجد میں جماعت ہونے کے بعد دوسری جماعت اسی مسجد کے برامدہ یا صحن میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کر سکتے ہیں تو کیوں؟ اور نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں نہیں؟ تفصیل کے ساتھ جواب مدلل دیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جس طریقے سے مسجد کے اندر جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ اسی طرح مسجد کے صحن اور برامدہ میں بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ صحن اور برامدہ بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ چونکہ یہ تقلیل جماعت کا باعث ہے جو کہ مکروہ ہے۔ لیکن اگر مسجد ایسی جس کا امام ومؤذن متعین نہ ہو نہ ہی نماز کا وقت متعین ہو جس کو مسجد طریق کہتے ہیں۔ تو ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن سالم بن عبد اللہ قال: لا تجمع صلاۃ واحدۃ فی مسجد واحد مرتین۔ (إعلاء السنن ج:۴ ص:۲۶۲۔دار الکتب العلمیۃ)۔

وفناء المسجد له حکم المسجد۔ (حلبی کبیری ص:۶۱۴۔لاہور)۔

وروی عن أنس بن مالکٍ۔ رضی اللہ عنه۔ أن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ کانوا إذا فاتتهم الجماعة صلوا فی المسجد فرادی ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة لان الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون فتکثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم یتاخرون فتقل الجماعة۔ وتقلیل الجماعة مکروه۔ بخلاف المساجد التی علی قوارع الطرق۔ لأنها لیست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فیها مرة بعد أخری لا یؤدی إلی تقلیل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلی فیه غیر أهله لأنه لا یؤدی إلی تقلیل الجماعة، لأن أهل الخ۔ (بدائع الصنائع ج:۱ ص:۳۸۰۔زکریا)۔

ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۲۴۶۔ کراچی)

عقد بیع معاملہ طئے ہونے کے بعد نہ خریدنے پر جرمانہ لینا کیسا ہے؟

سوال: مفتیان کرام سے ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ شفیق نے شکر سے زمین کی خریداری کا معاملہ طے کیا اور معاہدہ مکمل کر لینے کے بعد شفیق نے بیس (۲۰۰۰۰) ہزار روپیہ بیعانہ دیدیا۔ اب شکر زمین بیچنے سے مکر کر رہا ہے۔ تو شفیق صاحب کا کہنا یہ ہے کہ سودا طے کر لینے کے بعد زمین ہماری ہے۔ اگر آپ زمین نہیں لکھنا چاہتی ہیں تو جرمانہ دینا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ شفیق صاحب کا جرمانہ کی رقم لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں شفیق کا جرمانہ کی رقم لینا درست نہیں ہے اتنی ہی رقم لینا ہوگا جتنی رقم انہوں نے بیعانہ کے طور پر دی تھی اس سے زیادہ لینا سود اور ناجائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

عن عمر بن شعیب عن أبیه عن جده أن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ نهی عن العربان۔ قال ابو عبد اللہ العربان أن یشتری الرجل رابة بمأة دینارٍ فیعطیه دینارین عروباً فیقول إن لم أشتر فالدینار لک۔ (ابن ماجه ص:۱۵۸ بلال، دیوبند)۔ (ابوداؤد ج:۲، ص:۴۹۴۔بلال دیوبند)۔

ویرد العرمان اذا ترک العقد علی کل حالٍ بالاتفاق۔ (بذل المجهود ج:۱۱ ص:۲۲۱۔مرکز الشیخ)۔

عن ابی حرة الرقاشی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفسہ۔ (سنن الدار قطنی ج:۳ ص:۲۲۔ دار الإیمان)۔ (مشکاة المصابیح ص:۲۵۵)۔

(۴) وبعد الفسخ لا یأخذہ بائعہ حتی یرد ثمنہ وتحتہ فی الشامیة: أی ما قبضہ من المشتری کمافی الفتح۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۶ ص:۹۴۔ کراچی)۔

(۵) فإن شرط اکثر منہ أو أقل فالشرط باطل ویرد مثل الثمن الأقل۔ (ھدایة ج:۳ ص:۶۹۔ تھانوی دیوبند)۔

(۶) ولأن الربوا عرفہ الحنفیة بأنہ فضل خالٍ عن عوض بمعیار شرعی مشروط لأحد المتعاقدین فی المعاضةً۔ (الموسوعة الفقھیة ج:۲۲ ص:۵۰۔ الکویت)۔

(۷) ولا یجوز لأحدٍ من المسلمین أخذ مال احد بغیر سببٍ شرعی۔ (شامی ج:۴ ص:۶۱۔ کراچی)۔

کتاب الأضحیة والعقیقة

مردے بچے کا عقیقہ کرنا کیا ضروری ہے

سوال: مرے بچہ کی طرف سے عقیقہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مرے ہوئے بچہ کی طرف سے عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بچہ فوت ہوگیا تو اس کا عقیقہ باقی نہ رہا۔ اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد سات دن گزرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو حنفی مذہب میں ایک قول کے مطابق اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

ثم إن الترمذی أجاز لھا إلی یوم أحد و عشرین قلت بل یجوز إلی ان یموت۔ (فیض الباری ج:۴ ص:۳۳۴۔ ھر ابک ڈپو دیوبند)۔

ولو مات المولود قبل السابع استحب لہ العقیقة عندنا وقال الحسن البصری ومالک لاتستحب۔ (إعلاء السنن ج:۱۷ ص:۱۲۶۔ کراچی)۔

ولأن ذلک جمعة التقرب بالشکر علی نعمة الولد۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۶ ص:۳۳۱۔ کراچی)۔

فتاویٰ رحیمیہ ج:۶ ص:۱۷۲۔ قدیم۔

فتاویٰ محمودیہ ج:۱۷۔ ص:۵۱۶۔ شیخ الاسلام دیوبند۔

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کو بیچنے کا حکم

سوال: قربانی کی نیت سے کسی نے بکرا پالا، لیکن اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میں اس کو فروخت کرکے بڑا جانور خریدوں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

محض قربانی کی نیت سے پالنے کی وجہ سے اسی جانور کی متعین طور پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔وہ اگر چاہے تو اسے فروخت کرکے بڑا جانور بھی خرید سکتا ہے۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وهل تتعين الأضحية بالنية؟ قال الحنفية: إن كان فقيراً وقد اشتراها بنية الأضحية، تعينت فليس له بيعها وان كان غنيا لم تتعين، وصحح ابن نجيم في الأشباه أنها تتعين مطلقاً۔ والصحيح لدى غيره أنها لا تتعين مطلقاً۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج: ۱ ص: ۲۲۶۔دار الفكر المعاصر)۔

لأن الوجوب على الغنى بالشرع ابتداءً لا بالشراء فلم تتعين به وعلى الفقير بشرائه بنية الأضحية فتعينت۔ (فتح القدير ج: ۹ ص: ۵۱۶) دار الفكر۔ لأن بنفس الشراء لا تتعين الأضحية قبل أن يوجبها۔ (المبسوط للسرخسي ج: ۱۲ ص: ۱۳)۔بيروت۔

مستفاد من: فتاویٰ محمودیہ ج: ۱۴ ص: ۳۴۲۔

غضب کردہ چھوڑی سے ذبح کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص غضب کردہ چھوڑی سے گائے ذبح کرے، تو اس مذبوحہ گائے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

غیر کی مملوکہ چیز میں مالک کی اجازت کے بغیر استعمال اور اس میں دیگر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔صورت مسئولہ میں جبکہ اس نے غضب شدہ چھوڑی سے گائے ذبح کر دی۔تو اس سے مذبوحہ گائے میں تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔ذبیحہ شرعاً درست ہے۔البتہ اس کا یہ فعل قابل مذمت ہے۔اور دوسرے کا چاقو بلا اجازت استعمال کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔(۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أبي حرة الرقاشي عن النبي۔ صلى الله عليه وسلم۔ أنه قال لا يحل مال إمرئ مسلم إلا عن طيب نفسه۔ (سنن الدار قطني ج: ۳ ص: ۲۲۔دار الإيمان)۔ شعب الإيمان للبيهقي ج: ۴ ص: ۳۸۷۔دار الكتب العلمية بيروت)۔

(۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه۔ (القواعد الفقهية ص: ۱۱۰۔رقم القاعدة ص: ۲۶۹۔دار الكتاب)۔

(۳) يكون مؤدياً للفرض وإن أثم كالصلوٰة في الأرض المغصوبة۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۱۵۔ مطلب في الكلام على التشبيه في: كما صليت على إبراهيم من كتاب الصلوٰة۔ كراچی)۔

(۴) مستفاد من: وفي شرح منية المصلي: من بنى مسجداً في أرض غصب، لا بأس بالصلوٰة فيه۔ (شامي ج: ۱ ص: ۳۸۱۔ مطلب في الصلوٰة في الأرض المغصوبة۔من كتاب الصلوٰة۔ كراچی)۔

عقیقہ کے گوشت گھر کے لوگ کھا سکتے ہیں

سوال: عقیقہ کے گوشت گھر کے لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے نوازیں

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عقیقہ کا گوشت گھر کے لوگ بھی کھا سکتے ہیں۔اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔امیر غریب سب کو دے سکتے ہیں۔(۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) وأنه يستحب أن يأكل منها، والإطعام، والتصدق كما في الأضحية۔ (إعلاء السنن ج: ۱۷ ص: ۱۱۷۔ كراچی)۔

فما اشتہر علی ألسنة العوام أن أصول المیت لا یأکلون منہا، لا أصل لہ۔
(المصدر السابق ج:۱۷ ص: ۱۷۱۔ کراچی)۔
والأفضل أن یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لأقاربہ وأصدقائہ۔ (شامی ج:۶ ص:۳۲۸۔ کراچی)۔

کتاب المساجد

مسجد کے لئے سفیر رکھنے کا حکم

سوال: (۱) مسجد کے لئے سفیر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کیا۔ تعمیر مسجد کے نام سے چندہ کئے ہوئے پیسہ سے اس سفیر کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد کی کمیٹی کے ذمہ داران مسجد کے چندہ کے لئے نکلتے ہیں اور تعمیر مسجد۔ کے نام سے چندہ کرتے ہیں اور کرایہ کا خرچ ادا کرتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب دیکر ممنون ومشکور ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اللہ تعالیٰ کا گھر مسجد کے لئے چندہ کرنا بہت ہی مبارک کام ہے کسی مصلی کو چاہئے کہ بلا اجرت اسے انجام دے۔ اور اگر یہ کام کوئی مصلی انجام نہ دے سکے تو متعینہ اجرت پر سفیر رکھنے کی گنجائش ہے۔

(۲) تعمیر مسجد کے نام سے جو پیسہ آتا ہے اسے تعمیر کے کام ہی میں لگایا جائے۔ اور مصالح مسجد کے نام پر جو پیسہ آتا ہے اس سے ان کی تنخواہ کا انتظام کیا جائے۔ تاہم اگر اس فنڈ میں پیسہ نہ ہو۔ تو عمارتی فنڈ سے قرض لے کر ان کی تنخواہ دی جائے۔ اور بعد میں اس قرض کو ادا کردے۔

(۳) متولی مسجد کو چاہئے کہ وہ ذمہ داران کے ساتھ مشورہ کر کے کوئی شرعی نظم بنائے، جیسے جو مسجد کے لئے چندہ کرے گا، ان کو بطور تنخواہ اتنی رقم دی جائے گی، اس کے علاوہ دوران سفر کھانے پینے اور گاڑی کا کرایہ کی رقم بھی دی جائے گی، یا تنخواہ میں کچھ رقم کا اضافہ کر دیا جائے، اور دوران سفر کا خرچہ سفیر اپنی طرف سے کرے۔ البتہ اس کی گنجائش ہے کہ اگر دوران

سفر وہ رقم ختم ہوجائے تو بطور وکیل بقدر ضرورت لیکر کام چلالے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) رجل أعطى درهماً في عمارة المسجد، أو نفقة المسجد. أو مصالح المسجد صح. (الفتاویٰ الهندية ج:۲ ص:۴۶۰. الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم. رشيدية.

(۲) لو شرط الواقف تقديم العمارة ثم الفاضل للفقراء أو للمستحقين، لزم الناظر إمساك قدر العمارة كل سنة، وإن لم يحتجه الآن لجواز أن يحدث حدث. (الدر المختار مع الشامي ج:۴ ص:۳۷۱. کراچی).

(۳) ويدخل في وقف المصالح قيم، امام، خطيب، والمؤذن يعبر الشعائر التي تقدم شرط، أم لم يشترط، بعد العمارة هي إمام و خطيب، ومدرس، وقاد، و فراش، ومؤذن، وناظر... وشاد، وجاب، وتحته في الشامية: قوله: ساد. هو الملازم للمسجد مثلاً لتفقد حاله من تنظيف ونحوه. (شامی ج:۴ ص:۳۷۱. کراچی).

(۴) قال الشرنبلالي في رسالته: ذكروا أنه يجب عليه ان يجعل لكل نوع منها بيتاً يخصه، ولا يختلط بعضه ببعض. وأنه إذا احتاج إلى مصرف خزانة، وليس فيها ما يفي به. يستقرض من خزانة غيرها، ثم إذا حصلى للتي استفرض لها المال يرد إلى المستقرض منها. (شامی ج:۲ ص:۳۳۷. باب العشر، مطلب في بيان بيوت المال، ومصارفها. کراچی).

(۵) وسائر التصرفات لمن يتولى. (الدر المختار مع الشامي ج:۴ ص:۳۸۸). مطلب يجوز مخالفة شرط الواقف في مسائل کراچی).

وقف کی زمین تبادلہ کرنا کب جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی ایک شخص نے مسجد بنوانے کے لئے ایک زمین وقف کیا کسی ایک ہندو کے آشرم کے پاس تو اس حالت میں ہم اس جگہ کو دوسری جگہ سے بدل کر وہاں مسجد بنا سکتے ہیں؟ برائے کرم شریعت کے صحیح موقف سے ہمیں آگاہ فرمائیں ممنون ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

کسی زمین کا جب وقف کیا جاتا ہے، تو اس سے ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ بحیثیت مالک کسی کے لئے اس میں کسی قسم کا تصرف درست نہیں ہے، ہندوں کے آشرم کے پاس ہونا یہ کوئی ایسا سبب نہیں ہے کہ اس میں تبادلہ یا بیع کی شکل اختیار کر کے دوسری زمین پر مسجد بنائی جائے۔ البتہ اگر ہندوؤں کے شر وضرر یا کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، تو متولی کے لئے تبادلہ اور بیع کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کے پاس ہونے میں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ تو وہاں پر ہی مسجد بنائی جائے۔ تاکہ واقف کا منشا پورا ہو سکے اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اعمال حسنہ سے غیر مسلم بھی متأثر ہوں۔ الاسلام یعلو ۔ ولا یعلی علیہ۔

الدليل على ما قلنا:

فإذا تم ولزم. لا يملك ولا يملك، ولا يعار ولا يرهن. (الدر المختار مع الشامي ج:۴ ص:۴۹۵. کراچی).

مجمع الأنهر ج:۲ ص:۵۷۱. فقيه الأمة ديوبند.

درر الحكام شرح غور الأحكام ج:۲ ص:۱۳۵.

(۲) شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه. (شامی ج:۴ ص:۴۹۵. کراچی).

(۳) ولكنه يقبل البيع بعد لزومه، إما بشرط الاستبدال على المفتى به من قول

أبی یوسف، أو ورود غصب علیه لا یمکن انتزاعه عنه۔ (شامی ج:۵ ص:۵۷۔ کتاب البیوع کراچی۔

گھر میں رہ کر مسجد کے امام کا اقتداء کرنا

سوال: ایک مسجد کے بازو میں گھر ہے۔ وہاں پر عورتیں تراویح کی نماز پڑھنا چاہتی ہیں۔ لاوَڈ سپیکر وہاں پر رکھ دیا جائے گا۔ یعنی مسجد کا امام ہی ان عورتوں کا امام ہوگا۔ بس عورتیں گھر میں ہوگی اس صورت میں کیا نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صحت اقتداء کے لئے امام کی حالت مقتدیوں پر مشتبہ نہیں ہونی چاہئے۔ اور ان دونوں کا مکان حقیقتہً یا حکماً ایک ہونا چاہئے۔ صورت مسئولہ میں اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور گھر و مسجد کی چھت متصل ہو۔ تو اس طرح نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اور اگر گھر کی چھت مسجد کے ساتھ متصل نہ ہو بلکہ بیچ میں ایسے راستے کا فاصلہ ہو جس پر بیل گاڑی، یا موجودہ زمانہ کی ٹیکسیاں گذر سکیں، تو اقتداء درست نہیں ہوگی۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویشترط أن لا یفصل بینهما۔ حائط۔ کبیر: یشتبه معه العلم بافتقالات الإمام فإن لم یشتبه العلم بانتقالات الامام لسماع أو رؤیة۔ لم یکن الوصول إلیه صح الاقتداء به فی الصحیح۔ وهو اختیار شمس الأئمة الحلوانی لما روی أن النبی صلی الله علیه وسلم۔ کان یصلی فی حجرة عائشة رضی الله عنها والناس فی المسجد یصلون بصلاته وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام علیهم بسماع أو رؤیة ولم یتخلل إلا الجدار کما ذکره شمس الأئمة فیمن صلی علی سطح بینه المتصل بالمسجد أو فی منزله بجنب المسجد وبینه وبین المسجد حائط

مقتدیا بإمام فی المسجد وهو یسمع التکبیر من الإمام أو من المکبر تجوز صلاته کذا فی الجنیس والمزید۔

(مراقی الفلاح علی نور الإیضاح مع حاشیة الطحطاوی ص:۲۹۲۔ دار الکتاب)۔

(النهر الفائق ج:۱ ص:۲۵۳)۔ زکریا۔

(منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۱ ص:۲۸۴۔ باب الإمامة سعید)۔

أما فی البیت مع المسجد لم یتخلل إلا الحائط ولم یختلف المکان وعند اتحاد المکان یصح الاقتداء إلا إذا شتبه علیه الإمام۔ (الشامی مع الدر ج:۱ ص:۵۸۷۔ کراچی)۔

درر الحکام شرح غرر الأحکام ج:۱ ص:۹۲۔ قدیم۔

أما لو اقتدی رجل فی داره بإمام المسجد، وکانت داره منفصلة عن المسجد بطریق ونحوه۔ فلا یصح الاقتداء لاختلاف المکان۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج:۲ ص:۱۲۳۹) دار الفکر المعاصر۔

کتاب الإجارة

ڈاکٹر کے لئے مریض سے کمیشن لینے کا حکم

سوال: ڈاکٹر مریض کو خون کا جانچ لکھتا ہے ایکسرے لکھتا ہے اور جانچ لیب والے سے مریض بھیجنے کا کمیشن متعین ہوتا ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے؟

ایک ڈاکٹر اپنی کلینک پے مریض دیکھتا ہے لیکن جب ڈاکٹر اس مریض کے علاج سے عاجز ہوتا ہے تب وہ ڈاکٹر اپنے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس ریفر کردیتا ہے اور مریض بھیجنے کے بدلے میں کمیشن لیتا ہے کیا یہ درست ہے اور دلالی کے زمر میں آتا ہے مدلل جواب عنایت فرمائے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جو کمیشن لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں ہے، دونوں صورت کا حکم ایک یہی ہے۔

ہاں اگر وہ خود مریض کے ساتھ جائے یا اس کا نمائندہ کو ان مریض کے ساتھ بھیجے تو ایسی صورت میں اجرت کے اعتبار سے کمیشن لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ اجرت مثل سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) ومن دلنی علی کذا فله کذا فهو باطل ولا أجر من دله وتحته فی الشامیة بأن قال دلنی فالاجارة باطلة لأن الدلالة والإشارة لیست بعمل یستحق به الأجر وإن قال علی سبیل الخصوص بأن قال لرجل بعینه إن دلتنی علی کذا فلک کذا إن مشی له مثله فله أجر المثل للمشی لأجله لأن ذلک عقد مستحق بعقد الاجارة إلا أنه بخیر بقدر فیجب أجر المثل۔ (شامی ج:۵ ص:۹۔ کراچی)۔

(۲) فی إجارة الولوالجیة من دلنی علیه فله کذا فالاجارة باطلة لأن المسأجر له لیس معلوماً ولدلالة والإشارة لیس بعمل۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۵ ص:۱۵۴۔سعید)۔

كتاب الهبة

زندگی میں اپنی جائداد کی تقسیم

سوال: ہماری پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، ہماری ایک دوکان اور ایک مکان ہے لڑکے دونوں مل کر کاروبار کرتے ہے، ہماری بیوی کے پاس زیورات بھی ہیں، اور کچھ نقد روپیہ بھی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ابھی مال کیسے تقسیم کرنا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے مال سے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اس کو شرعاً ہبہ کہا جاتا ہے نہ کہ ترکہ، اور ہبہ میں کم بیش کرنا جائز ہے۔

لیکن صورت مسئولہ میں اگر باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے تو لڑک لڑکی کو برابر دینا ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) رجل له ابن و ابنة أراد أن يهب لهما شيئًا ويفضل أحدهما على الآخر في الهبة أجمعوا على أنه لا بأس بتفضيل بعض الأولاد على البعض إذا لم يقصد به الاضرار وإن قصد به الاضرار سوى بينهم يعطي الإبنة ما يعطي الإبن۔ (قاضی خان على هامش الهندية ج:۳ ص: ۲۷۹۔ زکریا)۔

(۲) ويعطي الإبنة مثل ما يعطي الإبن وعليه الفتوىٰ۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۴ ص: ۳۹۱۔ رشيدية)۔

(۳) وكذا في الشامي ج:۵ ص: ۶۹۶۔ کراچی۔

كتاب الدية

کسی کے مارنے کی وجہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ ضائع ہوگیا ہے اس پر کیا لازم ہوگا

سوال: ایک شخص نے ایک عورت کے پیٹ پر مارا اس کے مارنے کی وجہ سے اس عورت کے پیٹ کا بچہ ضائع ہوگیا۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

اس شخص کے مارنے کی وجہ سے عورت کے پیٹ میں جو بچہ ضائع ہوا ہے۔ اگر اس کے اعضاء کے تخلیق ہو چکی ہو۔ خواہ بعض ہی اجزا کیوں نہ بنے ہوں۔ تو اس صورت میں اس شخص پر ایک غرہ یعنی دیت کا بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ جس کی مقدار ۵۰۰ درہم ہے۔ اور ایک درہم کی مقدار 3.0618 تین تولہ چھ سو اٹھارہ گرام چاندی ہے۔ خواہ چاندی دے یا اس کے بقدر اس کی قیمت ادا کرے ملاحظہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے اعضاء کی تخلیق میں نطفہ ٹھہرنے کے دن سے ایک سو بیس ۱۲۰ دن کا وقت لگتا ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن ابن شهاب، عن ابن المسيب، وأبي سلمة بن عبد الرحمن، أن أبا هريرة، قال: اقتتلت امرأتان من هذيل، فرمت إحداهما الأخرى بحجر، فقتلتها وما في بطنها۔ فاختصموا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ أن دية جنينها غرة عبد أو وليدة، وقضى بدية المرأة على عاقلتها۔ وورثها ولدها ومن معهم، فقال حمل بن النابغة الهذلي۔ يا رسول الله۔ كيف أغرم من لا شرب ولا أكل ولا نطق ولا استهل، فمثل ذلك يطل، فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم۔ إنما هذا من إخوان الكهان، من أجل سجعه الذى سجع۔
(الصحيح لمسلم: باب دية الجنين ووجوب الدية فى قتل الخطأ وشبه العمد على عاقلة الجانى۔ رقم الحديث: ۱۶۸۱۔

سنن أبى داؤد: باب دية الجنين۔ رقم الحديث: ۴۵۷۶۔

سنن النسائى: باب دية جنين المرأة رقم الحديث: ۴۸۱۸۔

قال: وإذا ضرب بطن امرأة فألقت جنيناً ميتاً ففيه غرة وهى نصف عشر الدية۔

هداية ج: ۴ ص: ۵۸۲۔ دار الكتاب ديوبند۔

الدر المختار مع الشامى ج: ۶ ص: ۵۸۸۔ كتاب الجنايات، كراچى۔

مجمع الأنهر ج: ۲ ص: ۶۴۹۔ باب فى دية الجنين دار إحياء التراث العربى۔

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۳۹۷۔ باب الجنائز۔ زكريا۔

تحفة الفقهاء ج: ۳ ص: ۱۱۸۔ بيروت۔

والمراد بنصف عشر الدية دية الرجل۔ ولو كان الجنين ذكراً وفى الأنثى عشر دية المرأة وكل منهما خمسمأئة درهم ولهذا لم يبين فى المختصر أنه ذكر أو أنثى لأن دية المرأة نصف دية الرجل فالعشر من ديتها قدر نصف العشر من دية الرجل۔ (تبيين الحقائق ج: ۶ ص: ۱۳۹)۔ بيروت۔

(۲) ولم يخلق له عضو، وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً۔

شامى ج: ۱ ص: ۳۰۲۔ باب الحيض والنفاس۔ كراچى۔

منحه الخالق على البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۰۲۔ باب الحيض والنفاس۔ كراچى

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۲۳۰۔ دار الكتاب الاسلامى۔

شامى ج: ۶ ص: ۴۲۹۔ باب الاستبراء، من كتاب الحظر والإباحة ۲، كراچى۔

جان کے بدلے جو پیسہ ملتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں زید نے خالد کو تین لاکھ روپیہ قرض دیا خالد کو قرض لئے ہوئے تین سال گذر گیا پھر بھی خالد نے زید کا قرضہ ادا نہیں کر پایا ایک دن اچانک خالد کے لڑکے کا سڑک حادثہ میں ایکسیڈینٹ ہو گیا۔ خالد کے لڑکے زخم کی تاب نہ لا سکے اس کی موت ہو گی آگے یہ ہوا جس گاڑی والے نے ٹکر ماری تھی اس نے خالد کے لڑکے کو تین لاکھ معاوضہ کے طور پر دیا۔ اب خالد اسی روپیہ سے زید کا قرضہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ مفتیان کرام سے درخواست ہے کہ یہ روپیہ زید کو لینا حلال ہے یا حلال نہیں ہے۔ برائے مہربانی مسئلہ بتا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائے عین نوازش ہو گی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰه الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں خالد کو ملی ہوئی رقم مال دیت ہے اور مال دیت میں مقتول کے تمام ورثاء کا حق ہوتا ہے اگر خالد مقتول کے تمام ورثاء کی رضامندی اور اجازت سے ادا کر دے تو زید کے لئے مذکورہ رقم کا لینا درست ہے۔ اور اگر خالد نے باقی ورثاء کی رضامندی کے بغیر ادا کر دے اور زید کو بھی معلوم ہے تو زید کے لئے مذکورہ رقم کا لینا درست نہیں ہے۔

الدليل على ماقلنا

كان على رضى الله عنه يقسم الدية على من أحرز الميراث۔ (العناية مع الفتح ج: ۹ ص: ۱۷۶۔ دار الفكر)۔

ولأنه أى القصاص والدية حق يجرى فيه الإرث۔ (هداية ج: ۳ ص: ۵۷۲۔ تهانوى ديوبند)۔

الدية موروثة بينهم والدليل على أن الدية أنه مال للميت تقضى فيه ديونه وتنفذ منه وصاماه كسائراً أمواله۔ (حاشية الزيلعى على تبيين الحقائق ج: ۶ ص: ۱۱۴۔ امداديه)۔

والدية حكمها حكم سائر الأموال لهذا لو أوصى ثلث ماله تدخل الدية فيه۔ (البحر الرائق ج:٨ص:٣١٠۔سعید کراچی)۔۔

ويصلح أحدهم۔ ولمن بقى حصته من الدية۔ (الشامي ج:٦ ص:٥٥٦۔ کراچی)

ولأنه بدل نفسه فيرثته ولا يرثه الضارب۔ (الهداية مع فتح القدير ج:٩ ص:٢٣٧۔دار الفكر)۔

عن أبي حرة الرقاشي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم لا يحل مال امرئ مسلم إلا عن طيب نفسه۔ (سنن الدار قطني ج:٣ ص:٢٢۔ رقم الحديث: ٢٨٦٣۔دار الإيمان)۔

فإن كان عرفها للأوّل لم يشترها حتى يعلم انتقالها إلى ملك الثاني۔ (شامی ج:٦ ص:٤٢٠۔ کراچی کتاب الحظر انتقالها إلى ملك الثاني۔ (شامی ج:٦ ص:٤٢٠۔ کراچی کتاب الحظر والاباحة۔فصل فی البیع)۔

ولأنه لا يقبل الله المال الحرام لأنه غير مملوكٍ للمتدصدق وهو ممنوع من التصرف فيه والتصدق به۔ (عمدة القاري)۔

کتاب الأشتات

سد الذرائع کا معنیٰ کیا ہے؟

سوال: سد ذریعہ کی لغوی وشرعی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سد: کا لغوی معنیٰ ہے بند کرنا، اور ذریعہ: کا معنیٰ ہے وسیلہ دونوں کا ایک ساتھ معنیٰ ہوا کچھ وسائل کو بند کرنا۔ اس سے مراد وہ وسائل ہیں جو کسی امر قبیح تک پہچانے والے ہوں اس کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں اصولین حضرات کی مختلف عبادتیں ملتی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ ایسے ذرائع جو فی نفسہ تو جائز ہوں لیکن ممنوع چیز کا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام ہوں، اس لئے سد الذرائع مقصود نہیں بلکہ جس کی طرف پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہے وہ مقصود ہے۔ چنانچہ ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں کہ ذریعہ ایسا فعل ہے جو فی نفسہ تو مباح ہوتا ہے لیکن وہ کسی حرام کی طرف پہچانے کا داعی بنتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ذریعہ ایسی چیز ہے جو فی نفسہ ممنوع نہیں لیکن اس کے ارتکاب کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

سد ذریعہ کی شرعی حقیقت

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فقہ اسلامی کے مصادر قرآن، سنت، اجماع، قیاس ہے، اور اس کے ساتھ استحسان، اجتہاد، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع بھی اس کی اجزاء میں سے ہیں۔

چاروں مذاہب کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو سد ذرائع سے بھی مستنبط ہیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں سد ذرائع کی بہت سی مثالیں ہیں ہم صرف ایسی مثالوں کو ذکر کرینگے جو متفق علیہ ہیں۔

علامہ قرافی اپنی کتاب تنقیح الاصول میں لکھتے ہیں کہ تلاش بسیار کے بعد یہ ملتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے دلائل ۱۹ ہیں، کتاب، سنت، اجماع، اجماع اہل المدینہ، قول الصحابی، المصلحہ المرسلہ، القیاس، الاستصحاب، البداءہ الاصلیہ، العوائد، استقراء، سد الذرائع، الاستدلال، الاستحسان۔

اور کچھ حضرات فقہاء اس کو قواعد فقہیہ میں شمار کرتے ہیں، اور کچھ حضرات اس کو کبھی مبدا کہتے ہیں، اور کبھی اَصل قرار دیتے ہیں اور کبھی قاعدہ کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ شاطبی نے اس کو مصادر فقہ میں شمار کیا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام ائمہ حضرات سد الذرائع کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن تسلیم کا طریقہ الگ الگ ہے۔

چنانچہ علامہ قرافی نے اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے کہ جس طرح شریعت کے کچھ ذرائع کو کھولنا چاہئے ایسی طرح کچھ ذرائع کو بند کرنا بھی چاہئے، کیونکہ حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے، مباح کا ذریعہ مباح ہوتا ہے، اور واجب کا ذریعہ واجب ہوتا ہے، جیسا کہ جمعہ اور حج کے لئے سعی کرنا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) السد فی اللغة: اغلاق الخلل، و الذریعة: الوسیلة إلی الشئی۔

وفی الاصطلاح: هی الأشیاء التی ظاهرها الجواز و الإباحة وتبوصل بها إلی فعل محظور۔ (الموسوعة الفقهیة ج: ۲۵ ص: ۲۷۶)۔

(۲) ویقول الإمام القرطبی: الذریعة هی أمر ممنوع فی نفسه یخاف من ارتکابه الوقوع فی ممنوع۔ (الجامع لاحکام القرآن ج: ۱ ص: ۴۰)۔

(۳) ویقول الشاطبی: حقیقة الذرائع التوصل بما هو مصلحة إلی منسدة۔ (الموافقات ج: ۵ ص: ۱۸۳)۔

(۴) ویقول ابن القیم: فی أعلام الموقعین: الذریعة الفعل الذی ظاهره مباح وهو وسیلة إلی فعل محدم۔ (أعلام الموقعین ج: ۲ ص: ۱۰۸)۔

(۵) ویقول القرافی: اعلم أن الذریعة کما یجب سدها یجب فتحها ونکره

وتندب وتباح فإن الذریعة هی الوسیلة کما أن وسیلة الحرام حرام فوسیلة الواجب واجب۔ (الفروق للقرافی ج: ۲ ص: ۳۲)۔

(۶) وکذا فی تنقیح الأصول ج: ۱ ص: ۱۹۸۔

(۷) وکذا فی فتاویٰ ابن تیمیة ج: ۳ ص: ۱۴۰۔

(۸) وکذا فی قاعدة سد الذرائع ص: ۱

ذریعہ اور سبب کے درمیان کا فرق

سوال: ذریعہ اور سبب میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ذریعۃ: کالغوی معنی ہے وسیلہ اور اس کو کبھی سبب کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ”فلاں ذریعی إلیک بمعنی سببی“۔

سبب: کالغوی معنی ہے طریقہ، راستہ، اور اصطلاح میں سبب کہا جاتا ہے ”ما یتوصل به إلی غیره“ کو جو دوسری چیز کی طرف پہونچنے کا واسطہ بنتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”جعلت فلاناً لی سبباً إلی فلان أی وسیلة وذریعة“۔ علماء محققین دونوں کے درمیان فرق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”أصل السبب یدل علی الطول والامتداد“ یعنی سبب اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز طول و امتداد پر دلالت کرے۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ طول و امتداد اس کو کہتے ہیں جو شئی کے ساتھ قائم ہو۔ اور ذریعہ اس کو کہتے ہیں۔ ”وهو أصل یدل علی الامتداد والتحرک إلی أمام وکل ماینزع عن هذا الأصل یرجع إلیه“۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) الذریعة هو أصل یدل علی الامتداد و التحرک إلی أمام و کل ماتنزع عن هذا الأصل یرجع إلیه۔ (سد الذرائع للبرهانی ج: ۱ ص: ۵۲)۔

(۲) أصل السبب فی اللغة یدل علی الطول والامتداد وھو قریب جداً من التحرک والامتداد ولعل الفرق الأول وصف قائم بالشئی والثانی فعل الامتداد والتحرک۔ (المصدر السانق ج: ۱ ص: ۵۳)۔

(۳) السبب ھو الوصف الظاھر المنضط الذی دل علیه الدلیل السمعی علی کونه معرفاًلحکم شرعی۔ (دار الاحکام شرح مجلة الأحکام ج: ۱ ص: ۸۶)۔

(۴) وکذافی المصدر السابق ج: ۱ ص: ۵۵۔

سدذرائع کی حجیت کے سلسلے میں ائمہ کے اختلاف

سوال: سدذرائع کی حجیت کے بارے میں حضرات ائمہ کی آراء اور دلائل کیا ہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ائمہ اربعہ سد الذرائع کو مانتے ہیں، اکثر اہل علم اور محققین اس سے مسائل اخذ کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں، البتہ حضرات مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں اس میں بہت وسعت ہے جو حضرات شافعیہ اور حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، لیکن ابن حزم اور اہل ظواہر اس پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

دلائل القائلین

(۱) قوله تعالیٰ: لاتسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ۔۔۔ الأخ۔

(۲) وقوله تعالیٰ: ولاتقربا ھذہ الشجرة۔۔۔ الأخ۔

(۳) وقوله تعالیٰ: ولاتقربوا الزنا۔۔۔ الأخ۔

(۴) قوله علیه السلام: لایجمع بین امرأة وعمتها۔

(۱) ذھب أبو حنیفة ومالک والشافعی وأحمد وجمع من المحققین من أھل العلم لاحصر لھم إلی اعتبار قاعدة سد الذرائع وأعمالھا والأخذ بھا۔

إلا أن المالکیة والحنابلة مؤسعوا فی الأخذ أکثر من الحنفیة والشافعیة مع العلم أن لکل مذھب تطبیقات فقھیة علی ھذہ القاعدة۔

مذھب ابن حزم وأھل الظواھر فقد انکروا العمل سد الذرائع جرباً علی فرھبھم من الأخذ بظاھر النص۔ (الموفقات للشاطبی ج: ۵ ص: ۱۸۸)۔

(۲) قوله تعالیٰ: ولا تسبوا لذین یدعون من دون اللّٰہ۔۔۔ الأخ۔ (الموسوعة الفقھیة ج: ۲۵ ص: ۲۷۶)۔

(۳) وکذافی التفسیر للقرطبی ج: ۱ ص: ۵۷۔

(۴) وکذافی فتاویٰ ابن تیمیة ج: ۳ ص: ۱۴۰۔

(۵) وکذافی الموافقات للشاطبی ج: ۵ ص: ۱۸۶۔

(۶) وکذافی سدالذرائع للبرھانی ج: ۱ ص: ۶۵۳۔

(۷) وکذافی الفروق للقرافی ج: ۲ ص: ۳۲۔

(۸) وکذافی البحر المحیط ج: ۶ ص: ۸۲۔

سدزرائع کے مختلف زرائع

سوال: اہل اصول وفقہاء نے ذرائع کے جو مختلف درجات مقرر کئے ہیں اس کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اصولیین حضرات ذرائع کو دو معنی میں لیتے ہیں ایک معنی عام، اور ایک خاص۔

اگر ذریعہ خاص معنی میں ہوتو اس کی چار قسمیں ہوتی ہے۔

(۱) ایسا ذریعہ جو کسی مصلحت کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ بھی جائز ہو۔

(۲) ایسا ذریعہ جو کسی فساد کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ بھی ناجائز ہو۔

(۳) ایسا ذریعہ جو کسی مصلحت کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ ناجائز ہو۔

(۴) ایسا ذریعہ جو کسی فساد کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ جائز ہو۔

اور اگر ذریعہ عام معنی میں ہو تو اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔

(۱) ایسا جائز وسیلہ دوسرے کسی جائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

(۲) ایسا ناجائز وسیلہ جو کسی ناجائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

(۳) ایسا ناجائز وسیلہ جو کسی جائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

(۴) ایسا جائز وسیلہ جو کسی ناجائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔

ذرائع کے اقسام کا حکم بدلتا ہے ارکان ثلاثہ کے بدلنے سے اور ارکان ثلاثہ یہ ہیں الوسیلۃ المتوسل إلیہ۔ الافضاء۔

قواعد المقری میں مذکور ہے کہ ذریعہ کے درجات تین ہیں اور یہ حرام کے اعتبار سے یعنی جو حرام کا سبب ملتا ہے۔

(۱) ایسا ذریعہ جو حرام سے بہت دور ہو اور یہ بالاتفاق حرام نہیں ہے۔

(۲) قریب ذریعہ جس میں کوئی معارض نہ ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔

(۳) ایسا ذریعہ جو نہ حرام کے قریب ہو اور نہ حرام سے دور ہو، اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے اگر صاحب المقری اتفاق اور اختلاف کی علت قرب اور بعد کو قرار دیتے ہیں۔

اور صاحب احکام الفصول نے درجات چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایسا ذریعہ یقین کے ساتھ حرام تک پہونچا ہے۔

(۲) ایسا ذریعہ جو غالباً حرام تک پہونچا۔

(۳) ایسا ذریعہ جو حرام اور حلال تک پہونچانے میں برابر ہو۔

(۴) ایسا ذریعہ جو حرام تک بہت کم پہونچتا ہو۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) الذريعة بمعنى الخاص لها أقام الذريعة المفقية إلى المصلحة وهي مصلحة۔ الذريعة المفضية إلى المفسدة وهي مفسدة۔ الذريعة المفضية إلى المصلحة وهي مفسدة الذريعة المفضية إلى المفضية اتى المفسدة وهي مصلحة۔ (سد الذرائع في التفسير الاسلامي ج: ۱ ص: ۱۸۸)۔

(۲) الذريعة بمعنى العام لها أقسام الوسيلة الجائزة المؤدية إلى الجائز۔ والوسيلة المظورة المؤدية إلى محظور۔ الوسيلة المحظورة المؤدبة إلى الجائز۔ الوسيلة الجائزة المؤدبة إلى محظور۔ (المصدر السابق ج: ۱ ص: ۱۹۵)۔

(۳) ذريعة توصل إلى الحرام قطعاً و ذريعة توصل إلى الحرام غالباً ذريعة توصل إلى الحرام كثيراً أو تسوى حالات إفضائها إلى الحرام وعدمه و وسيلة توصل إلى الحرام نادراً۔ (أحكام الفصول ج: ۱ ص: ۶۵۷)۔

(۴) و كذا في قواعد المقدى ج: ۷ ص: ۱۰۷۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک سد الذرائع کی حجیت

سوال: اگر ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے یہاں سد ذریعہ حجت ہے تو ہر امام کے نزدیک سد ذریعہ کی کچھ مثالیں لکھیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے یہاں سد ذریعہ حجت ہے لیکن حجت ماننے کا طریقہ الگ الگ ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی یہ عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں ہر مذہب کی ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جو سد ذریعہ سے مستنبط ہیں۔

من أمثال الحنفية

بدائع الصنائع میں مذکور ہے کہ کسی چیز کے وسیلہ کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس شئی میں ہوتا ہے۔

مثال: جوان عورت کو جماعت میں حاضر ہونے سے منع کیا گیا ہے، چونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اور زنا حرام ہے لہٰذا ان کا نکلنا بھی حرام ہے۔

من أمثال المالكية

امام قرافی اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے کہ سد ذریعہ سے مستنبط ہونے والے مسائل بہت ہیں۔

اس کی مثال: ''بیع الطعام قبل القبض'' ہے۔

من أمثال الشافعية

حضرات امام شافعی کے مذہب کی مثال جیسے کوئی شخص انگور ایسے شخص سے فروخت کرے جو شراب بناتا ہو اور ایسے شخص کو کھجور بیچے جو نبید بناتا ہو۔

من أمثال الحنابلة

امام احمد بن حنبل کی مثال جیسے اخروٹ بچوں کے ہاتھ فروخت کرنا کیونکہ اس سے جو کھیلا جاسکتا ہے اور جو حرام ہے لہٰذا بچوں کے ہاتھ اخروٹ فروخت کرنا بھی حرام ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) أن الوسيلة إلى الشئى حكمها حكم ذلک الشئى۔ (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۱۰۶)۔

(۲) لا يباح للشراب فيهن الخروج إلى الجماعات بدليل روى عن عمر للفتنة مماأدى إلى الحرام فهو حرام۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص:۱۵۷)۔

(۳) الأمثلة فى مذهب المالكية كثيرة جداً وفى مقدمتها بيع الأجال كما ومنها بيع الطعام قبل قبضه۔ (الفروق للفراقى)۔

(۴) وكذافى الموافقات ج:۵ ص:۱۸۵۔

(۵) وكذافى المغنى ج:۴ ص:۳۰۷۔

امام قرافی کے نزدیک فتح الذرائع

سوال: امام قرافی مالکی کے نزدیک فتح ذرائع کی تحقیق کا خلاصہ کیا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلياً: والله الموفق بالصواب

امام قرافی مالکی اپنی کتاب الفروق میں ذکر کرتے ہیں کہ جس طرح کچھ ذرائع کو بند کرنا ضروری ہے ایسی طرح کچھ ذرائع کو کھولنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اگر کچھ ذرائع کو کھولا جائے تو جس کے لئے کھولا جائے اس کے اعتبار سے ذریعہ کا حکم بھی بدل جائے گا یعنی اس فعل کا جو حکم ہوگا ذریعہ کا بھی وہی حکم ہوگا۔

لہٰذا اگر کام مباح ہو تو ذریعہ بھی مباح ہوگا، اور اگر کام مکروہ ہو تو ذریعہ بھی مکروہ ہوگا، اور اگر کام حرام ہو تو ذریعہ بھی حرام ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ويقول القرافى اعلم أن الذريعة كما يجب سدها يجب فتحها وتكره وتندب وتباح فإن الذريعة هى الوسيلة كما أن وسيلة الحرام حرام فوسيلة الواجب واجب۔ (الفروق للقرافى ج:۲ ص:۳۲)۔

(۲) فتح الذرائع يحتمل فى وجوه ثلاثة۔

الأول: أن يدخل التدريج فى حدود المباحات التى يجوز للإنسان فعلها وتركها لكل الوسائل التى يحصل الانسان مصلحة مباحة والحكم هنا ترک التذرع كفعله سواءسيواء۔ (سدالذرائع فى التشريع الاسلامى ج: ۱ ص:۲۴۵)۔

(۳) وكذافى الموافقات ج:۵ ص:۸۳۔

دورحاضر میں سدالذرائع کی مثالیں

سوال: دورحاضر میں کن مسائل میں سد ذرائع مؤثر ہے یا سکتا ہے اس کی چند مثالیں پیش کریں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

قدیم متون فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ بوڑھی عورت کے لئے مغرب اور عشاء کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن دورحاضر میں بوڑھی عورتوں کے لئے بھی حضور جماعت ممنوع ہے چونکہ ان کے نکلنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہے لکل ساقطہ لاقطہ لہٰذا سد ذرائع کی بنیاد ہر مذکورہ بالا نمازوں کے لئے بھی جانے کی اجازت نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویحرم حضور الشابة کل جماعة والعجوز الظهور والعصر لانافية أي لا بأس للعجوز بالخروج فی المغرب والعشاء والفجر۔ (شرح الوقاية ج: ۱ ص: ۱۵۲)۔

(۲) أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إن أمن الشهوة۔ (الدر المختار ج: ۲ ص: ۲۴۱)۔

(۳) وکذافی الفتاویٰ الهندية ج: ۲ ص: ۴۵۹۔

سد ذرائع کا استعمال کرنے کا طریقہ

سوال: سد ذرائع جو ایک فقہی اصل ہے اس کے استعمال کو باقی رکھا جائے یا حالات حاضرہ کے تحت اس کا استعمال موقوف کر دینا چاہئے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چونکہ فقہ اسلامی کی یہ بھی ایک اساس و بنیاد ہے لہٰذا اس کا ترک تو مناسب نہیں البتہ یہ

شرط ضرور لگادی جائے کہ انہی فقہاء کو اس کی اجازت ہے جن کو فقہ وفتاویٰ میں مہارت تام اصل ہو اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہو اور اجتہاد و تطبیق مسائل کی صلاحیت رکھتے ہوں عموی استعمال کی اجازت نہ دی جائے۔

مصالح مرسلہ کا مفہوم کیا ہے؟

مصالح و مرسلہ

مصالح: مصلحۃ کی جمع ہے لغوی معنی ہے۔ فائدہ مفاد مصلحت وغیرہ یعنی عدم فساد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مرسلۃ کا معنی ہے چھوڑا گیا یعنی جس میں کوئی قید نہ ہو دونوں کا ایک ساتھ معنی ہوا ایسی کچھ مصلحتیں جس کو شریعت میں چھوڑ دیا گیا ہو جس پر متعین کوئی نص نہ ہو۔

یعنی مصالح رسلہ ایسے اچھے کام کو کہا جاتا ہے جس کے اعتبار و عدم اعتبار میں کوئی نص وارد نہ ہو۔

اور بعض حضرات اس کو الاستدلال المرسل بھی کہتے ہیں۔

جیسا کہ امام الحرمین اور ابن السمعانی نے اس پر لفظ استدلال کا اطلاق کیا ہے۔

اور امام خوارزمی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں اس کو الاستصلا ح سے تعبیر کیا ہے۔

اصطلاحی معنی: اس کی اصطلاحی تعریف میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں چند تعریفات درج ذیل ہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال القرافی: مالم یشهد لها الشرع بالاعتبار ولا بالالغاء۔ (تنقیح الاصول ص: ۴۴۶)۔

(۲) قال الآمدی: مالم یشهد الشرع له باعتبار ولا إلغاء۔ (الاحکام فی أصول الاحکام ج: ۴ ص: ۱۹۵)۔

(۳) قال الرازی: مالم یشهد له بالاعتبار ولا بالإبال نص معین۔ (الحصول فی علم الاصول)۔

مذکورہ تینوں تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مصالح رسلہ اس حکم کو کہتے ہیں جس کے اعتبار و عدم اعتبار میں شریعت کا کوئی نص نہ ہو۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ مصالح رسلہ درحقیقت باب الاجتہاد میں سے ہے جو قواعد الشریعہ کے موافق ہے اگرچہ اس کی کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے۔

قال الشاطبی علیہ الرحمۃ: المصالح المرسلة من باب الاجتهاد الملائم لقواعد الشريعة وإن لم يشهد لها أصل معين۔ (الموافقات ج:۳ ص: ۴۱)۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب ''المستصفی'' میں فرماتے ہیں کہ مصالح مرسلہ کا مطلب ہے مقاصد شرع کی حفاظت کرنا اور مقاصد شرع پانچ ہیں۔

(۱) حفظ الدین۔ (۲) حفظ المال۔ (۳) حفظ النفس۔ (۴) حفظ النسل۔ (۵) حفظ العقل۔

ہر وہ چیز جو ان پانچ چیزوں کی حفاظت کرے وہ مصالح ہیں۔ اور جو اس کی رعایت نہ کرے وہ مفسدہ ہے۔

الدليل على ماقلنا:

قال الغزالی فی کتابه: المصلحة المحافظة على مقصود الشرع۔ ومقصود الشرع خمسة، وهو أن يحفظ دينهم ونسلهم ومالهم عيقلهم ونفسهم۔ فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة۔

وكل ما يفوت هذه الاصول فهي مفسدة۔ (المستصفى للغزالى ج:۲ ص: ۴۸۲)۔

المصالح المرسلة ويلقب بالاستدلال المرسل وأطلق إمام الحرمين وابن السمعانی عليه اسم الاستدلال وعبر عنه الخوارزمی فی الكافی

بالاستصلاح۔ (البحر المحیط للزرکشی ج:۶ ص:۷۶۔ مصادر الشریع الاسلامی ص: ۹۵۔ ادلة التشریح ص: ۱۸۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مصالح مرسلہ کے سلسلہ میں حضرات ائمہ کی آراء

مصالح مرسلہ کی حجیت کے بارے میں علماء اُصولین کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات اس کو مطلقاً حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

اور یہی اکثر علماء کا قول ہے اور بعض حضرات مطلقاً حجت مانتے ہیں، ان میں سے حضرت امام مالکؒ ہیں۔

وفيه مذاهب منع التمسک مطلقاً وهو قول الاكثرين الجواز مطلقاً وهو المحكی عن مالک رحمه الله۔ (البحر المحيط للزركشی ج:۴ ص:۷۴)۔

جو حضرات اس کو حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ان حضرات میں سے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں۔ ان حضرات کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ یہ مستقل دلیل نہیں ہے ورنہ تو ان حضرات کے بہت سے ایسے مسائل ہیں، جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں جیسا کہ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب حنفیہ اور شافعیہ بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

ذکر القرطبی فی کتابه: ذهب اصحاب الحنفية والشافعية إلى الاعتماد عليه وهو مذهب مالک علیہ الرحمۃ (المصدر السابق ج:۴ ص:۷۶)۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مصالح مرسلہ پر عمل کی مثالیں

یہ بات واضح رہے کہ دور صحابہ سے لے کر ائمہ مجتہدین تک ہر دور میں مصالح مرسلہ پر عمل کی مثالیں ملتی ہیں۔

من أمثال المصالح المرسلة فی عهد الصحابة:

چنانچہ علامہ بوطی نے اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔

قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے اور بعد میں اس کے متعدد نسخے بنانے پر صحابہ کرام کا اجماع جبکہ اس کے بارے میں شریعت میں نص وارد نہیں نہ جواز پر نہ منع پر لیکن اس میں حفظ دین ہے جو کہ مقاصد شرع میں سے ہے۔ اور مقاصد شرع کی حفاظت کرنے کا نام ہی مصالح مرسلہ ہے۔

والحقیقة الواضحة من استعرض عهد الصحابة انهم یتخذون الأحکام لما فیه من مصالح وان لم یجدوا اصلاً یقیسوا فیها مادام أنها لا تتعارض مع أی نص لسنة أو کتابٍ۔ (ضوابط المصلحة للبوطی۔ ص: ۳۶۰)۔

من أمثال المصالح المرسلة فی عهد التابعین۔

کثرت حوادث کی وجہ سے حضرات تابعین رحمہم اللہ نے صحابہ کرام سے زیادہ مصالح مرسلہ سے مسائل استنباط کیا ہے جس کی مثال درج ذیل ہے۔

اس دور کے علماء حضرات نے جب دیکھا کہ فتنہ بہت تیزی سے پھیلنے لگا اور لوگ اس کے شکار ہونے لگے یہاں تک کہ غیر قول رسول کو بھی حدیث بتا کر پیش کرنے لگے تو حضرات تابعین نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا۔ جس میں جرح وتعدیل اور اصول روایت اور اقسام روایت اور شرائط تحمل کو بھی بیان کیا۔ جبکہ اس کے بارے میں کوئی نص شرعی نہیں تھی۔ لیکن اس میں حفظ دین ہے جو کہ مقاصد شرع میں سے ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ:

الإسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔

ولما رأی العقلاء۔۔۔ الفساد ویدب دبیبة فی علوم المعاد خافوا ان یندرج من الغث بالأعراض إلی الغث بالجواهر فلم یروا بداً من التدوین والتقیید والدلالة

علی مواضع الضعف والسخف لیظهر السلیم الذی لا شائبة فیه۔ (تاریخ ابن عساکر ج: ۲ ص: ۷۔ روضة الشام)۔

من أمثال المصالح المرسلة فی المذاهب الاربعة۔

من الذهب الحنفی

اصحاب حنفیہ اگر چہ اس کو مستقل دلیل یا مقاصد شرع میں سے قرار نہیں دیتے لیکن اس سے مسائل استنباط کرتے ہیں جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی اپنی کتاب ''الدر المختار'' میں ذکر کرتے ہیں اگر کوئی ساحر یا زندیق پکڑا جائے تو پہلی مرتبہ تو توبہ قبول کیا جائے گا۔ پھر اگر دوسری مرتبہ پکڑا جائے تو ان کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس کو قتل کرنے میں امت کی مصلحت ہے، اور وہ ''عدم الفساد فی الأرض'' ہے۔

إذا أخذ الساحر أو الزندیق المصروف الداعی قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته۔ (الدر المختار ج: ۱ ص: ۳۵۷۔ دار الکتاب)۔

وتحته فی الشامیة: أنها لا تقبل منه فی نفس القتل عنه۔ (شامی ج: ۴ ص: ۲۴۲۔ کراچی۔

من المذهب الشافعی:

بعض حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ استصلاح کے ذریعہ مسائل استنباط نہیں کرتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کے اکثر مسائل جو مصالح مرسلہ پر مستنبط ہیں امام شافعیؒ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن صرف مخالفت کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان مسائل کی جو علت ہے اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ زنجی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مصالح مرسلہ کے ذریعہ استدلال کرنا جائز ہے جب یہ کسی شرعی اصل کلی کے ساتھ مل جائے۔

قال الزنجی فی کتابه: ذهب الشافعی رحمه الله إلی أن التمسک بالمصالح المستند إلی کلی الشرع جائز۔ (تخریج الفروع علی الأصول ص: ۱۶۹)۔

چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتابوں میں اس علت پر مستنبط کئے ہوئے بہت مسائل ملتے ہیں۔

من المذهب الحنبلي:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی اس سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن اتنی کثرت سے نہیں جتنی کثرت مالکؒ استنباط کرتے ہیں چنانچہ امام ابوزہرہ اپنی کتاب ''ابن حنبل'' میں ذکر کرتے ہیں کہ مصالح مرسلہ امام احمد بن حنبلؒ کے ان دلائل میں نہیں جن سے آپ نے مسائل استنباط کیا ہے۔لیکن یہاں مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے، کہ امام احمد بن حنبل اس کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، چنانچہ حنبلی مذہب بڑی بڑی کتابوں میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔

قال أبوزهرة فی کتابه ''ابن حنبل'' بعد أن عدد الاصول التی اعتمدها الامام أحمد بن حنبل: ولیس عدم ذکرها رأی: المصالح دلیلاً علی عدم اعتبارها بل إن فقهاء الحنابلة یعتبرون المصالح أصلاً من الاصول۔ (ضوابط المصلحة للبوطی ص: ۳۶۳)۔

ایک مثال: علامہ ابن القیم الجوزی مروزی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جو شخص صحابہ پر طعن وتشنیع کرتا ہے، بادشاہ وقت پر ضروری ہے کہ وہ اس کو سزا دے۔اور بادشاہ کے لئے اس کو معاف کرنے کی گنجائش نہیں بلکہ ان کو سزا دے تو بہ کروائے ایسے آدمی کی سزا کے بارے میں کوئی نص نہیں۔پھر بھی اس کو سزا دینے میں حفظ دین ہے۔

روی عنه ابن القیم الجوزی عن المروزی فیمن طعن علی الصحابة أنه وجب علی السلطان عقوبته ولیس للسلطان أن یعفو عنه بل یعاقبه ولتتیبه فإن تاب۔ (اعلام المؤقعین ج: ۲ ص: ۳۷۷)۔

من المذهب المالكي:

حضرت امام مالکؒ مصالح مرسلہ کو زیادہ مانتے ہیں۔علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب

''الاعتصام'' میں ذکر کرتے ہیں۔کہ امام مالکؒ یہی تنہا ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے مصلحت کے معنی کو سمجھا ہے اور پسینہ کو بہایا۔ان کے مذہب میں بہت مسائل ایسے ہیں جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں۔

قال الإمام الشاطبی: إن الإمام المالک علیه الرحمة استرسل فیه استرسال المدل العریق فی فهم معانی المصلحة نعم مع مراعاة مقصود الشارع أن لا یخرج عنه ولا ینقض أصلاً من أصوله۔ حتی استشنع بعض العلماء سوءً فی وجوه استرساله زاعمین أنه خلع الربقة وفتح باب التشریع۔ (الاعتصام ج: ۲ ص: ۳۱۱)۔

استحسان کا مفہوم کیا ہے؟

استحسان: یہ باب استفعال کا مصدر اور حسن سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے ''عد الشی و اعتقاد حسناً ضد الاستقباح''، یعنی کسی چیز کو اچھا سمجھنا، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''فلان استحسن الرأی أو الطعام أو القول أی عده حسناً''۔

اور اس کے معنی میں محققین حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ

''طلب الأحسن للاتباع الذی هو مأمور به''۔

کسی حکم کی اتباع کے لئے کسی عمدہ طریقہ کار کو تلاش کرنا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

(فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه''۔(سورۃ الزمر ۱۸۔۱۷)

حضرات اصولیین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ استحسان کے اصطلاحی معنی میں ہے۔ نہ کہ لغوی معنی میں کیونکہ اس کا استعمال قرآن کریم وحدیث شریف میں بھی ہے۔حتی کہ ان حضرات سے بھی اس کو استعمال کرتے ہیں جو استحسان کو مستقل دلیل نہیں مانتے۔

وأعلم أن النزاع الذی حصل فی الاستحسان لیس فی اطلاق لفظ الاستحسان جوازاً أو امتناعاً لوروده فی الکتاب والسنة، واطلاق اهل اللغة۔ (ادلة التشریع ص: ۱۵۵)۔

اس کی اصطلاحی تعریف کے بارہ میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) هو اسم لم ليل يقابل القياس الجلي يكون بالنص أو الإجماع أو الضرورة۔ (الموسوعة الفقهية ج:۳ ص:۲۱۸)۔

(۲) ترک القياس إلى ماهو أونى منه۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۲۲)۔

(۳) قال الأنباري: استعمال مصلحة جزئية فى مقابلة قياس كلي۔ (البحر المحيط ج:۶ ص: ۸۹)۔

(۴) الاستحسان هو الدليل الذى يعارض القياس الجلي۔ (نور الانوار ص:۲۴۷)۔

(۵) العدول عن موجب قياس الى قياس أقوى منه۔ (أدلته التشريع ص:۱۵۶)

مذکورہ سب تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قیاس جلی۔ (۲) قیاس خفی۔

یعنی کسی حکم میں قیاس کا تقاضہ کچھ اور ہو اور اس قیاس کو چھوڑ کر کسی اور مستحسن کی بناء پر دوسرے کی حکم کی طرف جانے کا نام قیاس خفی، یا استحسان ہے۔

جن حضرات نے اس کی تعریف میں یہ بتاتے ہیں کہ استحسان کہا جاتا ہے کہ قیاس کے ایک موجب کو چھوڑ کر قیاس کے دوسرے موجب کی طرف جانا یہ تعریف جامع نہیں ہے۔ کیونکہ استحسان کے قائلین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح قیاس کے ایک موجب کو چھوڑ کر قیاس کے دوسرے موجب کی طرف جانا ہے۔ جو اس سے بھی أقوی ہے اس طرح قیاس کے موجب کو چھوڑ کر ایسے ایک حکم کی طرف جانے کو بھی استحسان کہا جاتا ہے جو خلاف قیاس ہے اور اس کی تائید کبھی آیات قرآنیہ سے ملتی ہے۔ اور کبھی احادیث نبویہ سے ملتی ہے اور کبھی اجماع ہے۔

”قرآن سے مؤید ہونے کی ایک مثال“

کوئی آدمی اگر یہ کہہ دے کہ ”جمیع مالی صدقة“ تو قیاس کا تقاضہ ہے اس آدمی کے پورے مال مملوکہ کو صدقہ کرنا ہوگا۔ لیکن اس صورت میں صرف مال زکوٰۃ کو تخصیص کرنا یہ اور مستحسن ہے جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے۔

”خذ من أموالهم صدقة“ جیسا کہ امام آمد نے ذکر کرتے ہیں۔

”فإن القياس بلزوم التصدق بكل ماله وقد استحسن تخصيص ذلك بمال الزكاة۔ (الإحكام ج:۴ ص:۱۶۳)۔

”حدیث پاک سے مؤید ہونے کی ایک مثال“

کوئی آدمی اگر بھول کر کے ماہ رمضان میں کھانا کھائے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا روزہ توڑ جائے گا، لیکن اس کا روزہ نہ توڑنا یہ امر مستحسن ہے جس کی تائید حدیث شریف سے ملتی ہے جیسا کہ آقا ﷺ نے کہا۔

من أكل أو شرب ناسياً۔ الله أطعمک وسقات۔ (نصيب الرايه ج:۲ ص:۴۴۵)

فإن القياس لزوم القضاء عليه لكونه أخل بركن الصوم وهو الإمساك لكنه استحسنه العدول عن حكم القياس بعدم إلزامه بالقضاء لقوله عليه السلام۔ (أدلته التشريع ص:۱۵۸ المملكة)۔

نوٹ: استحسان کو اس لئے قیاس خفی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اکثر و بیشتر قیاس جلی یعنی ظاہری قیاس سے اقوی ہوتا ہے۔

و إنما سمى به لأنه الاكثر الأغلب أقوى من القياس الطاهر۔

کتاب الأیمان والنذور

منت کے کھانے کا مصرف کون ہے؟

سوال: ایک آدمی نے منت مانی کہ اگر ہم اس بیماری سے صحت یاب ہو جائیں گے تو ایک بکرہ ذبح کریں گے اب اس بکرے کے گوشت کا کیا حکم ہے کیا وہ خود بھی کھا سکتا ہے؟ یا گھر والے کھا سکتے ہیں؟ جو حکم ہو وضاحت سے بتائیے

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں منت ماننے والا اور ان کے گھر والوں میں سے کسی کے لئے اس بکرے کے گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو مستحق زکوٰۃ ہیں جیسے غربا و مساکین۔

الدلیل علی ماقلنا

إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل۔۔۔ الخ۔ (سورة التوبة ص: ٦٠۔ ٦١)۔

ومصارف الفدية والنذور المطلقة والكفارات والصدقات الواجبة هى مصارف الزكاة۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج:٣ ص: ١٧٤٤۔ دار الفكر)۔

مصرف النذر الفقراء ولا يجوز أن يصرف ذلك لغنى غير محتاج ولا لشريف ذى منصب لأنه لا يجوز له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً۔ (البحر الرائق ج: ٢ ص: ٢٩٨۔ سعيد كراچى)۔

صرف النذر لمستحقيه۔۔۔ إذ مصرف النذر والفقراء ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غنيٍ غير محتاجٍ اليه۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ٦٩٣۔

دار الكتاب)۔

مصرف الزكاة۔۔ وهو ايضاً مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة۔ (الدر المختار مع الشامى ج: ٢ ص: ٣٣٩۔ سعيد كراچى)۔

ولا يجوز الأكل من المنذور ودم الجزاء اتفاقاً۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج: ٣ ص: ٢٣٦۔ دار الفكر)۔

فكأنه نذر أن يتصدق بها: ولهذا كان عليه أن يذبحه وبعد الذبح صار المذبوح لله تعالىٰ خالصاً فالسبيل أن يتصدق بالحمه۔ (المبسوط للسرخسى قطر)۔

هكذا فى التاتارخانية ج: ٥ ص: ١٤١۔ كراچى۔

الفتاوىٰ الهندية ج: ٥ ص: ٣٧٧۔ رشيديه۔

منت ماننے کا کیا حکم ہے؟

سوال: مفتی صاحب کیا منت ماننا جائز ہے؟ وضاحت فرمائیں

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

منت ماننا جائز ہے لیکن منت اگر اس اعتقاد پر ہو کہ یہ تقدیر کو بدل دے گی۔ تب ممنوع ہے البتہ منت کے بجائے صدقہ خیرات کرنا بہتر ہے۔

الدليل على ماقلنا:

عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن النذور وقال: إنه لا يأتى بخير۔ (الصحيح المسلم ج: ٢ ص: ٤٤۔ مكتبه فيصل)۔

عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم: قال: من نذر أن يطيع الله فليطيعه ومن نذر أن يعصى الله فلا يعصه۔ (سنن الترمذى ج: ١ ص: ٢٧٩۔ مكتبه بلال)۔

فالنذر على إعتقاد أنه يرد عن قدر الله شيئًا فنهى عنه۔ وكان عادة الناس ينذرون

لجلب المنافع ودفع المضار۔ وذلک فعل البخلاء فنهوا عنه وأما إذا نذر بالاخلاص فی النیة وعبادة اللہ تعالیٰ عمر بن الخطاب باعکافٍ لیلةٍ فی المسجد الحرام فهو لیس بمنهيٍ عنه۔ (بذل المجهود ج:١٠ ص:٥٧٨۔ مرکز الشیخ)

أجمع المسلمون علی صحة النذر فی الجملة ولزوم والوفاء به ولا مستحب لروایة النهی وهو نهی کراهة لا نهی تحریم لأنه لو کان تحریماً لما مدح المؤفین به لأن ذنبهم فی ارتکاب المحرم أشد من طاعتهم فی وفائه۔ (أوجز المسالک ج:٩ ص:٥١٣۔ مرکز الشیخ۔

قالطیبي: تحریره: أنه علل النهي بقوله فإن النذر لا یغنی من القدر، ونبه به علی أن النذر المنهی عنه هو النذر المقید الذی یعتقد عنه أنه یعنی عن القدر بنفسه کما زعموا۔ (تحفة الأحوذی ج:۴ ص:١٥٢۔ القدس۔

قال الخطابي: معنی نهیه علیه السلام عن النذر إنما هو تاکید لامره وتحذیر لهاون به بعد ایجابه ولو کان معناه الزجر عنه حتی لا یفعل لکان فی ذلک ابطال حکمه واسقاط لزوم الوفاء به۔ (عون المعبود ج:٥ ص:٣٩٣۔ قدس)۔

کتاب الحظر والإباحة

چاندی کے پالیش کیا ہوا برتن استعمال کرنے کا حکم

سوال: چاندی کی پالیش کیا ہوا برتن استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

چاندی کی پالیش کیا ہوا برتن استعمال کیا جاسکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(١) وأجاز أبو حنیفة الشرب والوضوء فی الإناء المفضض أي المزین بالفضة۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۴ ص:٢٦٣٣۔ دار الفکر)۔

(٢) لا یجوز تحلیة سکین والقلم والمقراض والمقلمة ولدواة والمرأة بالذهب وهل یجوز بالفضه فیه وجهان۔ (الفتاویٰ الهندیة ج:۴ ص:٣٣٥۔ رشیدیة)۔

(٣) وحل الشرب من إناء مفضض أي مزوق بالفضة وتحته فی الشامیة کذا فی المسخ وفسده الشمنی بالمدصح بها ویقال لکل مفضض ومزین ومزوق قاموس۔ (شامی ج:٦ ص:٣۴٣۔ کراچی)۔

(۴) وکذا فی البحر الرائق ج:٨ ص:١٨٦۔ (سعید)۔

عقد صیانہ کی تعریف

سوال: عقد صیانہ کس کو کہتے ہیں؟ اور شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

صیانہ کا لغوی معنی بچانا، حفاظت کرنا نگرانی کرنا وغیرہ۔

تعریفات کی کتابوں میں عقد صیانہ کی کوئی شرعی تعریف نہیں ملتی، لیکن دور حاضر میں محققین نے اس کی بارے میں لکھتے ہیں۔

(۱) بیع صیانہ ایک ایسے معاہدہ کو کہتے ہیں جس کے تحت ایک ٹھیکیدار دوسرے ٹھیکیدار کی طرف سے ادا کردہ اجرت کو برقرار رکھنے کے لئے برقرار رکھنے کا کام کرتا ہے۔

(۲) بیع صیانہ ایسی بیع کا نام ہے جس میں مبیع میں جب بھی خرابی یا نقصان ظاہر ہو تو مطلوبہ فوائد حاصل کرنے کے لئے اس مبیع کی درستگی کی صورت ہوتی ہے۔

شرعاً یہ درست ہے یا نہیں

بیع صیانہ کے اندر کچھ صورتیں ایسی ہے جس میں صلب عقد کے اندر فسادی اور خرابی آنے کی وجہ سے جائز نہیں ہوتی ہے، اور کچھ صورتیں ایسی ہیں جس میں صلب عقد کے اندر کسی قسم کی خرابی نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہوتی ہیں۔

اور بعض حضرات اس کو اجارہ میں شمار کرتے ہیں، اجارہ کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) عقد يتعهد بمقتضاه أحد المتعاقدين بصيانه شئى لبقاء أجر يتعهد به المتعاقد الآخر۔

هو عقد يلزم الخبير الفنى بمقتضاه بالقيام على الآلات والتهجيز فى هذه محدودة۔

إنه اصلاح الشئى المعمر كلما طرء عليه عطل أو أذى حيث قدرته على انتاج الحدمات والمنافع المقصودة منه۔ (مجلة المجمع الفقه الاسلامى ج:۸ ص:۱۹۹)۔

(۲) ولا يوجد لهذا العقد أي الصيانة تكييف شمل كافة صوره ويعطى حكماً

واحداً لهذا الصور۔ (عقد الصيانه ج:۳۱)۔

(۳) وكذافى فقه البيوع ج:۲ ص:۱۰۵۱۔ (دار المعارف)۔

عقد صیانہ کی ایک صورت

سوال: عقد صیانہ میں عقد کرنے والا اگر صرف اصلاح و مرمت کا ذمہ لے اور اس میں لگنے والا سامان مالک کو دینا ہو اور یہ سروس ماہ بماہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں عقد صیانہ جائز ہے، اور سروس کرنے والا اجرت کا حقدار بنے گا اور عقد کرنے والے کے لئے ان کو اجرت ایک ساتھ بھی اداء کرنا جائز ہے، اور ہر مہینہ سروس کرنے کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) من الواجب على المصون له لقيام بدفع كل مستحقات الصائن والتى تشمل۔ (المصدر السابق ص:۲۲۶)۔

(۲) يجب على الصائن انجار العمل الذى تعهد به خلال المدة الرمنية المتحدة فى العقد إذا لم تمنع قوة قاهرة۔ (عقود الصيانة وتطبيقاتها ص:۲۵۶)۔

(۳) وكذافى المصدر السابق ص:۱۵۲۔

(۴) وكذافى بدائع الصنائع ج:۴ ص:۱۹۵۔ (دار الكتاب)۔

(۵) وكذافى عقد الصيانة ص:۲۵۷۔

(۶) وكذافى الترمذى ج:۱ ص:۱۵۲۔ (بلال)۔

(۷) وكذافى أبى داؤد ج:۱ ص:۵۰۶۔

قیمتی پتھر یا موتی وغیرہ میں خمس کا صدقہ کرنا ضروری ہے؟

سوال: ایک شخص کو زیر تعمیر سڑک پر سے ایک قیمتی پتھر ملا تو اس کا لینا اور اس کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے؟

اور کیا اس میں کوئی حصہ (خمس وغیرہ) صدقہ کرنا ہوگا؟ امید ہے جواب سے مطلع فرما کر ممنون وشکر فرمائنگے

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر سڑک کی کھدائی میں زمین سے وہ پتھر نکلا ہو تو اس کا لینا اور اس کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے، اور اس میں خمس واجب نہیں ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أما المنطبع كالذهب والفضة والحديد ففيه الخمس كذا في التهذيب سواء أخرجه حرأو عبد۔ وما بقي مللآخذ۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۲۴۶۔ رشيدية)۔

(۲) وما ليس بمنطبع كالنور والجص والجواهر والبواقيت لا شئى فيها۔ (المصدر السابق ج: ۱ ص: ۲۴۶)۔

(۳) إن الكنز يخمس كيف كان والمعدن إن كان ينطبع ولا في لؤلؤ ولا عنبر۔ (شامي ج: ۲ ص: ۳۲۲ اشرفيه)۔

(۴) وكذافي البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۳۶۔ (سعيد)۔

(۵) وكذافي تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۲۹۱۔ (امدادية)۔

(۶) وكذافي الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۳ ص: ۳۴۶۔ (زكريا)۔

صحابی تابعی تبع تابعین کی تعریف

سوال: صحابی اور تابعی اور تبع تابعین میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صحابی کہتے ہیں جس نے اپنی زندگی میں حالت اسلام پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اور تابعی کہتے ہیں جس نے صحابی کو دیکھا، اور تبع تابعی کہتے ہیں جس نے تابعی کو دیکھا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) الصحابي: من لقى النبي صلى الله عليه وسلم مؤمناً به ومات على الإسلام ولو تخللت به ردة۔ (حاشية البخاري ص: ۵۱۵ نخبة الفكر جص: ۸۱)

(۲) تابعي: من رأى الصحابي۔ تبع التابعي: من راى التابعي۔ (حاشية نور لانوار ص: ۴)۔

(۳) وكذافي عمدة القاري ج: ۲ ص: ۲۲۔ (زكريا)۔

(۴) وكذافي البخاري ج: ۱ ص: ۵۱۵۔

عقد صیانہ کی ایک شکل

سوال: اگر سروس کے ساتھ خراب شدہ الات لگانے کی ذمہ داری بھی سروس کنیدہ کی ہو تب کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں یہ عقد صیانہ بھی جائز ہے۔

(۱) وأما إذا كان الشرط على الصائن وأنه هو الملزم يتو فيرها فلا بأس أيضاً في ذلک لقوله عليه السلام المسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً لأن الفقهاء متفقون على جواز اشتراط الشئى على العامل۔ (عقد

الصیانة وتطبیقاتها ص: ۱۵۱)۔

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً جرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حدم حلالاً أو أحل حراماً۔ (الترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱)۔

(۳) وکذافی أبی داؤد ج: ۱ ص: ۵۰۶۔ (بلال)۔

ضرورت پڑنے پر سروس کا معاہدہ ہونے پر اگر عقد کو تو یہ کیسا ہے؟

سوال: اگر ضرورت پڑنے پر سروس کا معاہدہ ہو اور سال بھر ضرورت نہ پڑے تو سال بھر کی سروس کے معاوضہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں معاہدہ کی کیفیت کو دیکھنا ہوگا، اگر معاہدہ کے وقت یہ طے ہو جائے کہ اگر سروس کی ضرورت ہو تب سروس کرنا ہوگا، اور اس کے بعد اجرت اتنی مقدار دی جائے گی یا سال کے اخیر میں اتنی مقدار دی جائے گی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر معاہدہ کے وقت یہ طے ہو کہ جب ضرورت پڑے تب سروس کرنا ہوگا اور اس کی مزدوری اتنی ملے گی تو اس صورت میں جب سروس کرنے والا سروس کریگا تب متعین مقدار مزدوری کا مستحق ہوگا۔

(۱) ومن حق الصائن أن یأخذ أجرته وفق ماتم علیه الاتفاق من جهة المقدار والجنس والنوع۔

وطریقة الدفع: إذ ممکن أن تدفع أجرة الصیانة جملة واحدة مؤجلة أو معجلة ویمکن أن تدفع علی أقساط تبعاً یسیر العمل حسب ما اتفق علیه العقد۔ (عقد الصیانة وتطبیقاتها)۔

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الصلح بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم

حلالاً أو أهل حراماً۔ (أبو داؤد ج: ۱ ص: ۵۰۶)۔

(۳) وکذافی الترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱۔

مرنے کے بعد بچے کے کان میں اذان واقامت دینے کا حکم

سوال: ایک بچہ کی پیدائش ہوئی حالت نازک ہونے کی وجہ سے فوراً آئی سی یو میں داخل کر دیا گیا تقریباً ۵ یوم کے بعد اس بچہ کا انتقال ہوگیا اس بچہ کے کان میں نہ اذان دی گئی نہ اقامت آیا اس بچہ کو اذان دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں مرنے کے بعد اس کے کان میں اذان دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) عن عبید الله بن أبی رافع عن أبیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم أذن فی أذن الحسن بن علی حین ولدته فاطمة۔ (أبو داؤد ج: ۲ ص: ۶۹۲ بلال)۔

(۲) یستحب للوالد أن یؤذن فی أذن المولود الیمنی وتقام فی الیسری حین یولد لیکون إعلان المولود بالتوحید أول ما یقدح سمعه عند قدومه إلی الدنیا۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج: ۴ ص: ۲۷۵۰ دار الفکر)۔

(۳) ولا أذان ولا إقامة فی صلاة الجنازة لأنها لیست بصلاة علی الحقیقة۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۵۲ ـ زکریا)۔

(۴) هکذافی مرقاة المفاتیح ج: ۸ ص: ۸۱۔ (دار الکتب العلمیة)۔

(۵) هکذافی العرف الشذی ص: ۴۳۰۔ (رحیمیة)۔

(۶) وکذافی بذل المجهود ج: ۱۳ ص: ۵۰۱۔ (مرکز الشیخ)۔

عقد اجارہ میں ایک صورت

سوال: عقد اجارہ میں مالک مکان کرایہ دار پر مکان میں موجود تمام چیزوں کی

دیکھ بھال کی اور درستگی کی شرط لگادے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگر مالک مکان کرایہ دار پر ان چیزوں کی دیکھ بھال اور درستگی کی شرط لگائے جو عقد اجارہ میں داخل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر ایسا شرط لگائے جو عقد اجارہ میں داخل نہیں تو اس صورت میں اجارہ باطل ہو جائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

الإجارة تفسدها الشروط التى لا يقضيها العقد كالبيع وهذا لأن المنافع بالعقد يكون قيمة ويصير مالاً به فتعتبر الإجارة بالمعاوجة المالية۔ (تبيين الحقائق ج:۵ ص: ۱۲۱۔امدادية)۔

وكل شرط لا يقيضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق كشرط أن لا يبيع المشترى العبد المبيع يفسده۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۳ ص: ۵۹۔زكريا۔

وكذافى الشامى ج:۶ ص: ۴۶۔(كراچى)

وكذاى البحر الرائق ج:۸ ص:۱۷۔(سعيد)۔

صرف سروس دینے کی شروط پر عقد کرنا

سوال: اگر صائن اور مالک کے درمیان اس طرح کا معاہدہ ہو کہ چاہئے جتنے کا سامان لگے یا جتنا بھی وقت لگے مثلاً صرف ایک لاکھ روپیہ سالانہ سروس خارج دینگے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگر سروس کرنے والا متعینہ خرچ پر راضی ہو جائے تو اس قسم کے معاہدہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرّم حلالاً و أَحَلّ حراماً۔ (ترمذى ص: ۱۲۵۱)۔ (أبوداؤد ص:۵۰۶۔ بلال)۔

(۲) ومن حق الصائن أن بأخذ أجرته وفق ماتم عليه العقد من جهة المقدار والجنس والنوع۔ (عقد الصيانة وتطبيقاتها ص:۲۵۷)۔

عقد صیانہ میں صرف آپ ڈیٹ کے معاہدہ کرنے کا حکم

سوال: کبھی عقد صیانہ میں صرف آب ڈیٹ کرنے کا معاہدہ ہوتا ہے تو اس کی مزدوری کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اب ڈیٹ کرنے والا متعین مقدار کی اجرت کا حقدار ہوگا، کیونکہ اب ڈیٹ کرنا بھی ایک طرح کا عمل ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) وإذا سلم من العمل فى إجارة نفسه أو إجارة مال المولى وجب الأجر المسمى۔ (بدائع الصنائع ج:۴ ص: ۱۹۔زكريا)۔

(۲) فما لم يسلم المعقود عليه للمستأجر لا يسلم له العوض والمعقود عليه هو العمل وأثره۔ (تبيين الحقائق ج:۵ ص: ۱۳۴۔امدادية)۔

(۳) وكذافى البحر الرائق ج:۸ ص: ۲۷۰۔(سعيد)۔

(۴) وكذافى الدر المختار مع الشامى ج:۶ ص: ۱۹۔(كراچى)۔

ایک سال میں بیع خراب ہوجانے پر بدل دینے کی شرط پر بیع

سوال: بیع وشراء میں اگر بائع شرط لگائے کہ مثلاً ایک سال میں یہ مبیع خراب ہو جائے گی تو بائع اس کو بدل کردیگا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں یہ عقد جائز ہے، کیونکہ عرف میں یہ عقد رائج ہے، اس کو عقد تبرع کہا جاتا ہے، یہ شرط نہیں بلکہ بائع کی طرف سے ایک احسان ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) نهى رسول الله ﷺ عن بيع و شرط۔ (مجمع الزوائد ج: ۴ ص: ۸۸)۔

(۲) والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرّم حلالاً أو أحل حراماً۔ (ترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ بلال)۔

(۳) وكذافي أبي داؤد ج: ۱ ص: ۱۳۴۔ (هلال)۔

عقد شرکت کی صحت کے لئے شریکین کے سرمایہ کا موجود ہونا

سوال: شرکت کی صحت کے لئے کیا شریکین کے سرمایہ کا موجود ہونا ضروری ہے اگر دونوں کی رقم بینک میں ہو تو عقد شرکت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عقد شرکت کی صحت کے لئے شریکین کے سرمایہ کا موجود ہونا شرط نہیں ہے، لیکن شراء کے وقت دونوں کے سرمایہ کا موجود ہونا شرط ہے خواہ سرمایہ حقیقۃً موجود ہو یا حکماً۔

اگر دونوں کی رقم بینک میں ہو تو عقد شرکت تو درست ہوجائے گی، لیکن شراء کے وقت رقم موجود ہونا چاہئے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) لا تصح بمال غائب بل لا بد من كونه حاضراً والمراد حضوره عند عقد الشراء لا عقد الشركة۔ (شامی ج: ۴ ص: ۳۱۱۔ کراچی)۔

(۲) ومنها أن يكون رأس مال الشركة عيناً حاضراً لا ديناً ولا مالاً غائباً۔ وإنما تشترط الحضور عند الشراء لأن عقد الشركة يتم بالشراء فيعتبر الحضور عنده۔ (بدائع الصنائع ج: ٦ ص: ٦٠۔ دار الكتاب العلمی)۔

(۳) وكذافي تبيين الحقائق ج: ۵ ص: ۵۵۔ (امدادية)۔

(۴) وكذافي الفتاوىٰ الهندية ج: ۴ ص: ۲۸۸۔ (رشيدية)۔

(۵) وكذافي الفقه الإسلامي وأدلته ج: ۵ ص: ۳۸۹۰۔ (دار الفكر)۔

شریکین کے لئے زبانی معاہدہ پر رقم لینے کا حکم

سوال: چند شرکا اگر زبانی معاہدہ کرے اور حسب ضرورت رقم لیلے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ایسی شرکت درست ہے، یعنی اس میں بھی احکام شرکت جاری ہونگے اور نفع نقصان میں تمام شرکا شریک ہوں گے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو هلك بعد الشراء بأحدهما كان الهالك من المالين جميعاً لأنه هلك بعد تمام العقد۔ (بدائع الصنائع ج: ٦ ص: ٦٠۔ دار الكتاب العلمی)۔

(۲) إن اشترى أحد الشريكين بماله وهلك بعد الشراء فيجعل الشراء من المالين۔ (الفقه الاسلامي وأدلته ج: ۵ ص: ۳۹۱۷۔ دار الفكر)۔

(۳) وكذافي الدر المختار مع الشامي ج: ۴ ص: ۳۱۲۔ (کراچی)۔

کسی شریک سے مزدوری کی تنخواہ لینا کیسا ہے

سوال: شرکاء کا شرکت کے کاروبار سے تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خود شریک کی حیثیت سے منافع کا حقدار ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں تین شکلیں ہیں، ایک صورت تنخواہ لینے کی ہے یہ معاملہ درست نہیں ہے، اور باقی دوصورتیں جائز ہیں۔

(۱) اگر عقد شرکت میں اجارہ کا عقد بھی کر کے کسی ایک شریک کو اجیر بنائے تو اس صورت میں عقد شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس میں صفقۃ فی صفقۃ لازم آتا ہے، اور یہ ناجائز ہے۔

(۲) اگر ایک شریک دوسرے شریک کو اگر منافع کا کچھ زائد دے دے، اور بعد میں اس پر کام کی شرط لگائے تو یہ صورت جائز ہے، کیونکہ ہر شریک کو رأس المال کے حساب سے نفع ملے گا، اور نفع سے زائد حصہ دوسرے شریک کو اپنے کام کی بدل میں ملے گا۔

(۳) یہ صورت سب سے بہتر ہے وہ یہ ہے کہ تمام شرکاء مل کر پہلے عقد شرکت کریں اور بعد میں تمام شرکاء کی رضامندی سے کوئی اجیر کو متعین کیا جائے وہ اجیر شرکاء میں سے بھی ہو سکتا ہے اور غیر بھی ہوسکتا ہے، پھر منافع تقسیم کے وقت پہلے مزدور کی تنخواہ ادا کر کے جو بچے وہ آپس میں ہر ایک کے راس المال کے حساب سے تقسیم کیا جائے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) عن ابن مسعود قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صفقتين في صفقة۔ (شرح السنن ج:۴ ص:۴۰۵۔دار الحدیث)۔

(۲) المضارب يستحق الربح بالعمل فكذا الشريك۔ (بدائع الصنائع ج:۶ ص:۶۲۔دار الکتاب)۔

(۳) مالم يسلم المعقود عليه للمستأجر لا يسلم له العوض و المعقود عله هو العمل۔ (تبيين الحقائق ج:۵ ص:۱۳۴۔امدادية)۔

شرط کے ساتھ زمین فروخت کرنا

سوال: ایک شخص اپنی زمین فروخت کرتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اس میں جو کام ہوگا اس کے نفع میں میرا بھی کچھ فیصد حصہ ہوگا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اس طرح زمین کی خرید وفروخت درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بیع مع الشرط ہے جو ممنوع ہے۔

الدلیل علی ماقلنا

(۱) نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع و شرطٍ۔ (مجمع الزوائد ج:۴ ص:۸۸۔ (فتح الباری ج:۵ ص:۳۷۱)۔

(۲) كل شرط لا يقتضيه العقد و فيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه و هو من أهل الاستحقاق يفسده۔ (هدایه ج:۳ ص:۵۹۔تھانوی دیوبند)۔

(۳) و لأنه بيع و شرط وقد نهى النبى صلى الله عليه و سلم عن بيع و شرط كما سواه عمرو ابن شعيبٍ۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۸۵۔سعید کراچی)۔

شرکت مضاربت میں خسارہ کا بوجھ کس پر نہ آنے کی ایک صورت

سوال: شرکت مضاربت میں خسارہ کا بوجھ رب المال اور مضارب پر نہ آئے ایسی کوئی شکل ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شرکت مضاربت میں خسارہ کا بوجھ رب المال اور مضارب پر نہ آنے کی بہتر شکل یہ ہے

کہ شرکت مضاربت میں منافع تقسیم کرنے کے وقت خواہ منافع کی تقسیم ماہانہ ہو یا سالانہ۔ پہلے منافع کو تقسیم کرلیں۔ پھر اس عقد کو فسخ کردیں یعنی مضارب رأس المال رب المال کو دے دے پھر رب المال اس کو دوبارہ مضارب کو دے دے اور پھر از سر نو عقد مضاربہ شروع کریں بایں صورت اگر شرکت مضاربت میں خسارہ آجائے تو پہلے تقسیم شدہ منافع سے اس کی بھرپائی نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ عقد نیا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) وإن قسم الربح و فسخت ثم عقداها فهلک المال لم یترد الربح الاوّل۔
(منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۷۔سعید کراچی)

(۲) لو اقتسما الربح و فسخا المضاربة ثم عقداها ثانیاً فهلک المال بعد ذلک لم یرد الربح الاول۔ لأن المضاربة الأولی قد انتهت بالفسخ وتبوت الثانیة بعقد جدید فهلات الثانیة لا یوجب انتقاض الأولی، فصار کما إذا الیه مالاً آخر۔۔ وصورة هذه الحیلة ن یسلم المضارب رأس المال الی رب المال ثم یقسما الربح ثم یرد رب المال رأس المال إلی المضارب ویقول: أعمل علی المضاربة فتکون بذلک مضاربة مستقلة فهلاک المال فیها لا یوجب رد الربح کان فی الأولی۔ (تبیین الحقائق ج:۵ ص:۶۷۔امدادیه)۔

(۳) هکذا: فی الدر المختار مع الشامی ج:۵ ص:۶۵۶ کراچی۔

عقد شرکت میں مدت شرکت کی صراحت کی ایک صورت

سوال: کیا عقد شرکت میں مدت شرکت کی صراحت کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

رأس المال اگر عروض میں سے نہ ہو تو مضارب عقد مضاربت سے کبھی بھی علیحدہ ہوسکتا ہے لیکن مضاربت کا عقد مضاربت سے کبھی بھی علیحدہ ہو جانا رب المال اور رأس المال کے

لئے خسارہ کا باعث بن سکتا ہے۔

اس لئے اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ عقد مضاربت کے وقت یہ بات کرلے کہ فلاں مدت تک ہم شرکت مضاربت میں رہینگے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) إذا فسخا المضاربة و رأس المال عروض یجوز و اما اذا فسخ احدهما فلا یجوز اذا کان رأس المال عروضاً۔ (خلاصة الفتاویٰ ج:۴ ص:۲۹۹۔ اشرفیه)۔

(۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً۔ والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً۔ (ترمذی شریف ج:۱ ص:۲۵۱)۔(ابو داؤد شریف ص:۵۰۶)۔

پاؤں کی ضرب لگوانے سے علاج کرنے کا کیا حکم ہے

سوال: ایک مرض ہے جس کو ہمارے دیار میں کہتے ہیں کہ ”جھوٹا پکڑ لیا“ اس مرض میں اچانک بدن کے کسی حصے میں درد شروع ہو جاتا ہے جس سے افاقہ کے لئے اس آدمی سے پاؤں کی ضرب لگوائی جاتی ہے جس کی پیدائش الٹی ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پاؤں کی اس ضرب سے علاج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگر اس بیماری کا علاج پاؤں کی ضرب لگوانے سے ہو جاتا ہو تو ضرب لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ لکل داءٍ

دواءفإذاأصیب دواءالداءبرأباذن اللہ۔ (مشکاۃ المصابیح ص:۳۸۷۔ کتاب الطب)۔

(۲) الأحادیث المأثورۃ فی علم الطب لا یحصی وقد جمع دواوین۔ والمختار أن بعضہ علم بالوحی إلی بعض انبیائہ۔ وسائرہ بالتجارب۔ (أوجز المسالک ج:۱۶ ص:۵۲۶۔مرکز الشیخ)۔

(۳) واختلف فی مبدأ ہذا العلم علی أقوال کثیرۃ۔ والمختار أن بعضہ بالوحی وسائرہ بالتجارب۔ کذافی المرقاۃ۔ (حاشیۃ المشکاۃ ج:۳۸۷)۔

(۴) قولہ علیہ السلام: علیکم بالعود الہندی فإن فیہ سبعۃ اشفیۃ وقد ذکر الأطباء اکثر من سبعۃ فأجاب الشراح بأن السبعۃ علمت بالوحی ومازاد علیہا بالتجربۃ۔ (فتح الباری ج:۱۱ ص:۲۹۵۔دار الفکر)۔

مردہ پیدا ہوا بچہ بھی ماں باپ کے لئے سفارشی سے کا حکم

سوال: ایک بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوا ۸ ماہ کا تو کیا کل قیامت کے دن وہ بچہ اپنی ماں اور باپ کے لئے سفارشی بنے گا؟ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایسا بچہ بھی قیامت کے دن اپنی ماں اور باپ کے لئے سفارشی بنے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن السقط یراغم ربہ إذا دخل أبویہ النار فیقال أیہا السقط الراغم ربہ أدخل أبویک الجنۃ فیجرہما بسردہ حتی یدخلہما الجنۃ قال أبو علی یراغم ربہ یغاضب۔

عن معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ إن السقط لیجر أمہ بسردہ إلی الجنۃ إذا احتسبتہ۔ (رواہ الإمام إبن ماجہ فی سننہ

ص:۱۱۵۔باب ماجاء فیمن أصیب بسقط۔قدیم)۔

إن السقط یحیی فی الآخرۃ وترجی شفاعتہ واستدلوا بماروی أبو عبیدۃ مرفوعاً أن السقط مخبطئًا حتی یدخل أبواہ الجنۃ۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص:۵۹۸۔دار الکتاب)۔

یشفع الطّفل المخنبطئ علی باب الجنہ وفی الحدیث إن الطفل السقط یظل مخنبطئًا علی باب الجنہ وہذا إنما ہو فی قراباتہم ومعاذفہم۔ (الجامع لأحکام القرآن ج:۳ ص:۲۷۳۔دار إحیاء التراث۔

إن الطفل المتوفی یتقدم والدیہ فیہئی لہما فی الجنۃ منزلاً ونزلاً۔ (شرح الطیبی ج:۴ ص:۱۴۲۲۔مکتبۃ نزار۔

پیدا ہونے کیے چند گھنٹے بعد مرے جو بچہ مرگیا اس کا نام رکھنا ضروری ہے؟

سوال: ایک بچہ پیدا ہوا کچھ گھنٹوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو اس بچہ کا بھی نام رکھنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر پیدا ہونے کے بعد رویا، ہنسا یعنی اس میں زندگی کی علامت پائی گئی اس کے بعد انتقال ہوا تو ایسے بچہ کا نام رکھا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا

غسل وسمی عند الشافعی، وہو الأصح فیفتی بہ علی خلاف ظاہر الروایۃ ووجہہ أن تسمیتہ تقتضی حشرہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج:۲ ص:۲۲۸۔کراچی)۔

ومن استهل بعد الولادة غسل وسمي وصلي عليه والإغسل في المختار: وتحته في التعليق كرامة لابن آدم۔ (ملتقى الأبحر ج: ۱ ص: ۱۶۱ ۔مؤسسة الرسالة)۔

غسل وسمي وصلي عليه ويرث ويورث وإن لا يستهل أدرج في خرقة ودفن ولا يصلي عليه۔ (سكب الأنهر ج: ۱ ص: ۲۷۳ ۔فقيه الأمة)۔

ومن استهل سمي وغسل وكفن كما عليه وصلي عليه يرث ويورث۔ (حاشية الطحطاوي على المراقي ص: ۵۹۷ ۔دار الكتاب)۔

ومن استهل صلي عليه وإلا لا، ذكر المصنف أن حكمه الصلاة عليه ويلزمه أن يغسل ويرث ويورث وأن يسمي وأن لم يبق حياً لا كرامة لأنه من بني آدم۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۱۸۸ ۔سعيد كراچی)۔

هكذا في تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۲۴۳ ۔امدادیه۔

چھوٹے بچے کے زائد کپڑے دوسروں کو دینا کیسا ہے؟

سوال: چھوٹے بچہ کا کپڑا اگر استعمال سے زائد ہو کیا ماں باپ کے لئے اس کپڑے کو دوسرے کس کو دینے کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چھوٹے بچہ کا کپڑا جو استعمال سے زائد ہوا گر وہ کپڑا اس کو بطور اباحت دیا گیا ہو جیسے عام طور پر عرف میں والدین اپنے بچے کو دیتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں والدین کے لئے اگر دینے والے بھی والدین ہوں اس زائد کپڑے کو دوسرے کسی کو دے سکتے ہیں۔ اور اگر اس کپڑے بطور تملیک دیا ہو۔ جیسے عام طور پر اس کے اقارب واعزاء دیا کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں چھوٹے بچہ کی اجازت کے بغیر والدین کے لئے بھی دوسرے کسی کو دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کی اجازت اس وقت تک نافذ نہیں ہوگی جب تک وہ قابل تصرف نہ بنیں۔

الدليل على ما قلنا

عن أبي حرة الرقاشي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يحل مال إمرئ مسلم إلا عن طيب نفسه۔ (سنن الدار قطني ج:۳ ص:۲۲ دار الايمان)۔

ولأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلاً فانه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو جنبياً أو الملتقط۔ (البحر الرائق ج:۲ ص: ۲۰۱۔ سعيد كراچی)۔

للمبيح أن يمنعه عن التصرف فيه۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۳۸۵ ۔فقيه الأمة)۔

ولا يصح تصرف صبي وعبد بلا إذن ولي، وسيدٍ لأن الصبي عديم العقل فعقلله ناقص لعدم الاعتدال وهو البلوغ۔ (البحر الرائق ج:۸ ص:۸۷۔ سعيد كراچی)۔

هكذا في (مجمع الأنهر ج:۴ ص: ۱۵ ۔فقيه الأمة۔

تبيين الحقائق ج:۴ ص: ۱۹۱ ۔امدادیه ملتان۔

فتح القدير ج:۸ ص: ۱۸۶ ۔دار إحياء التراث العربي۔

الفقه الاسلامي ج:۵ ص: ۴۰۰۲ ۔دار الفكر۔

فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے؟

سوال: جو کھانا یا کھانے کی چیزیں محلہ سے فاتحہ کے نام پر آتی ہے اس کا حکم کیا ہے؟ اور اس کا مصرف بھی کھا سکتے ہیں؟ قرآن سنہ کے مطابق وضاحت کی جیئے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مروجہ فاتحہ پر جو کھانا بنایا جاتا ہے اس کا کھانا تو ناجائز اور حرام نہیں ہے البتہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کا ثبوت تو شریعت میں ہے لیکن

مروجہ فاتحہ کے طریقے سے ایصال ثواب کرنا جو کہ بہت سی خرافات اور بدعات کو شامل ہے۔
اور اس پر کھانا تقسیم کرنا بے اصل اور بدعت شنیعہ ہے جس کا ترک لازم ہے۔

الدليل على ما قلنا:

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تجسوه و اسرعوا به إلى قبره و ليقرء عند رأسه فاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة فى قبره۔ (شعب الايمان للبيهقى ج:۷ ص:۱۶ ـ رقم الحديث ج:۹۲۹۴)۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت قال النبى صلى الله عليه وسلم من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ (رواه الامام البخارى ج:۱ ص:۳۷۱۔ باب إذا اصطلحوا على صلحِ جورٍ فهو مردود۔
وفى المسلم ج:۲ ص:۷۷۔ باب كراهية قضاء القاضى وهو غضبان۔
وفى ابن ماجه ج:۱ ص:۳۔ باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه۔
مشكاة: ج:۱ ص:۲۷۔

عن العرباض بن سارية قال۔۔۔ وإياكم ومحدثات الامور فإن كل محدثة بدعة وكل عدعة ضلالة۔ (ابو داؤد شريف ج:۲ ص:۶۳۵ ـ بلال ديوبند)۔

ولأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية۔ (الجنة لأهل السنة ص:۱۴۸)۔

قال النووى: البدعة كل شيئى عمل على غير مثال سبق وفى الشرع۔۔۔ إحداث مالم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (مرقاة المفاتيح ج:۱ ص:۲۱۶ ـ ملتان)۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فى السرور لا فى

الشرور وهى بدعة مستقيمة۔ (شامى ج:۲ ص:۲۴۰ ـ كراچى پاكستان)۔

خرج الحنفية بأنه يكره اتخاذ لطعام فى أيام متعارف عليها۔ (الموسوعة الفقهية ج:۱۶ ص:۴۵ ـ الكويت)۔

ولا ينبغى لأحد الأكل منه إلا أن يكون الذى صنعه من الورثة بالغاً رشيداً فلا حرج فى الأكل منه۔ (الفواكه للدوانى ج:۱ ص:۲۸۵)۔

وقال ابن حجر الهيثمى: وقال أعتيد من جعل أهل الميت طعاماً ليدعو الناس عليه بدعة مكروة كإجابتهم لذلك۔ (تحفة المحتاج ج:۳ ص:۲۰۷)۔

عن ابراهيم بن سبرة قال قال رسول الله ﷺ من وقر صاحب بدعة فقد أعان هدم الاسلام۔ (مشكاة المصابيح ج:۱ ص:۳۱ ـ ملتان ديوبند)۔

عالم کو گالی دینے سے بیوی پر طلاق ہو جاتی ہے

سوال: جس نے عالم کو گالی دی اور برا بھلا کہا ایسا شخص دائرہ ایمان سے خارج ہے امام محمدؒ اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس گستاخ و بے ادب کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی دریافت طلب امر یہ ہے۔ یہ کس حد تک صحیح ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں ہے کہ کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے، کسی عالم کی شان میں برا بھلا کہنا گناہ کبیرہ ہے، اور اس پر شریعت میں سخت وعید وارد ہے، حتی کہ حضرت فقہاء لکھتے ہیں کہ ایسے آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہوگی، لیکن ایسے آدمی کا کافر ہو جانا اور اس کی بیوی پر طلاق بائن کا واقع ہونے کی صراحت فقہ کی کسی کتب معتبرہ میں نہیں ملتی، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ: ولم يعلل أحد لعدم قبول شهادتهم بالكفر۔

جو لوگ حضرات صحابہ اور تابعین اور علماء کی شان میں برا بھلا کہتے ہیں کسی نے اس کی گاہی قبول نہ ہونے کو کفر کا سبب نہیں قرار دیا ہے۔ لیکن فتاویہ عالمگیری میں ہے کہ جو عالم کی

شان میں برا بھلا کہتا ہے اس پر کفر کا ڈر ہے یعنی اگر کہنے والا کا مقصد اگر توہین دین اور شریعت کی حقارت ہو تب تو وہ کافر ہو جائے گا اہل السنہ والجماعت کے مسلک کے مطابق ارتکاب کبیرہ اور فسق سے دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے۔لیکن ''عثمان بن حسن الشاکر الخفیری نے اپنی کتاب درۃ الناصحین فی الوعظ والارشاد میں ''المجلس الثالث فی فضلیۃ العلم'' عنوان کے تحت ''فتاویٰ بدیع الدین'' کے حوالے سے نقل فرمایا کہ:

''من استخف بالعالم یکفر وتطلق امرأتہ'' جو عالم کو توہین کرتا ہے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس کا مقصد ہو علم کی اہانت اور دین کی استہزاء ہے اور یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔مصنف ؒ اس عبارت سے جیسے انہوں نے اسی صفحہ میں کواشی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔
(رواہ الامام المسلم ج:۱ ص:۵۸۔مکتبہ فیصل دیوبند۔

الکبیرۃ لا تخرج العبد المؤمن من الإیمان لبقاء التصدیق الذی ھو حقیقۃ الإیمان خلافاً للمعتزلۃ زعموا أن مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن ولا کافرٍ۔
(شرح العقائد ص:۸۲۔رشیدیۃ دھلی)۔

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: قال اللہ تعالیٰ من عادی لی ولیاً فقد أذنتہ بالحرب۔ (الصحیح البخاری ج:۲ ص:۹۶۳۔ یاسر ندیم دیوبند)۔

وعلماء السلف من السابقین ومن بعدھم من التابعین أھل الخیر والآثر وأھل الفقہ والنظر والا یذکرون الا بالجمیل ومن ذکرھم بسوء فھو علی غیر السبیل۔
(العقیدۃ الطحاویۃ ص:۷۴۰)۔

وروی عن الإمام أحمد رحمہ اللہ أنہ قال لحوم العلماء مسمومۃ من شمھا مرض ومن أکلھا مات۔ (المعید فی أدب المفید والمستفیدین لعبد الباسط بن موسیٰ العلموی ص:۷۱)۔

ونعو ما قیل من طعن فی علماء الأمۃ فلا یلو من إلا أمہ۔۔۔۔والأولی أن یقال سقوط العدالۃ بسبب مسلم وان لم یکن من السلف۔ (سکب الانھر ج:۳ ص:۲۷۸۔ فقیہ الامۃ)۔

ولا تقبل شھادۃ من یظھر سب السلف کالصحابۃ والتابعین ومنھم أبو حنیفۃ، وکذا العلماء لظھور فسقہ۔ (فتح القدیر ج:۶ ص:۴۸۶۔ دار إحیاء التراث العربی)۔

أو یظھر سب السلف لظھورہ فسقہ کما فی النھایۃ السلف الصحابۃ والتابعون وأبو حنیفۃ وزاد فی الفتح وکذا العلماء۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۹۲۔سعید کراچی)۔

ولم یعلل أحد لعدم قبول شھادتھم بالکفر کما ستری۔ (شامی ج:۴ ص:۲۳۷۔ کراچی)۔

الفقہ الاسلامی ج:۸ ص:۲۰۴۔دار الفکر۔

قال الصدر الشھید فی فتاویٰ بدیع الدین: من استخف بالعالم یکفر وتطلق امرأتہ۔ (درۃ الناصحین فی الوعظ والارشاد ص:۲۲)۔

یخاف علیہ الکفر من شتم عالماً أو فقیھاً من غیر سبب۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج:۲ ص:۲۷۰ رشیدیہ)۔

لأنھو خواص المؤمنین من أعمل لسانہ بالثلب ابتلاہ اللہ قبل موتہ مرض القلب کما ذکر ابن عساکر فی تبیین کذب المفتری۔ (التعلیق علی العقیدۃ الطحاویۃ ص:۳۰)۔

باپ کی توہین کرنے کا حکم

سوال: باپ کی توہین وتذلیل کرنے والے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ مدلل و مفصل جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

دین اسلام میں توحید وعبادت کے بعد والدین کی اطاعت کا ایک اہم مقام ہے۔رب تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اپنی عبادت کو لازم بنادیا اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کو حق قرار دیا ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کے ساتھ نافرمانی کرنا ہے۔مخلوق میں کسی کا احسان اس قدر نہیں ہے جتنا احسان والدین کا اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔

''ہل جزاء الاحسان اِلا الاحسان'' نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

اولاد پر یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے حقوق کی طرف خیال رکھے۔تاکہ ان کو کسی طرح کی تکلیفیں نہ پہونچیں۔

حتیٰ کہ حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ:نفل روزہ رکھنے والے کے لئے زوال کے بعد کسی قسم کے عذر کے سبب روزہ توڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔البتہ اگر روزہ توڑنے میں والدین کا حکم ہوتو روزہ توڑسکتا ہے۔تاکہ والدین کی نافرمانی نہ ہو۔حضرت امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ کچھ گناہ ایسے ہیں کہ جس کے مرتکب پر زوال ایمان کا خطرہ ہے۔

ومن ذلک حقوق الوالدین: ان میں سے والدین کی نافرمانی قابل ذکر ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ گناہ کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ والدین پر لعنت کرنا ہے۔

نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں

ہے اور رب کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔

ترمذی شریف کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ: تین قسم کے لوگوں کی دعائیں بلاشبہ قبول کی جاتی ہے۔

والدین کی بددعاء اپنی اولاد کے لئے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ والدین تمہاری جنت ہے یا جہنم ہے یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کروگے تو جنت میں جاؤگے اگر بدسلوک کروگے تو جہنم میں جانا ہوگا۔

مشکاۃ شریف کی روایت میں ہے کہ اکثر گنہوں کے سزا میں تاخیر ہوتی ہے مگر چند گنہوں کے علاوہ جنمیں والدین کی نافرمانی بھی ہے۔

احادیث کی روشنی میں چند ایسی صورت درج ذیل ہیں جو والدین کی نافرمانی میں شامل ہے۔

والدین کے ساتھ بات کرنے کے وقت آواز اونچی کرنا اور ان کے حکم کی طرف توجہ نہ دینا۔اور والدین جب بلائے تب بوجھا سمجھ کر اپنی زبان سے اُف نکلنا۔

والدین کے ساتھ ایسے معاملہ کرنا جو حزن وغم کا ذریعہ بنتا ہے۔

دوسرے کے سامنے والدین کو برا بھلا کہنا۔

والدین جب اپنی اولاد کی طرف محتاج ہوتے ہیں تب ان کو چھوڑ کے چلے جانا۔

والدین کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کی کچھ دنیاوی سزا ہے

دنیاوی کسی کام میں بھی ان کو راحت محسوس نہیں ہوگی۔اور ہمیشہ غمگین اور۔

اپنے مال اولاد بیوی میں برکت نہیں ہوگی اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی ہیں وہ عنقریب زائل ہوجائیگی۔

اور ہمیشہ اس فکر میں رہے گا کہ وہ کونسی چیز جو ہماری زندگی کو خوش گوار بنائے گی۔

اور ان کے اولاد بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریگا جیسا معاملہ اس نے اپنے والدین

کے ساتھ کیا ہے۔ کما تدین تدان۔

والدین کی دعاء اپنی اولاد کے حق میں بلا شبہ قبول کی جاتی ہے۔ پتہ نہیں ہے کب والدین کی زبان سے کیا نکل جاتا ہے۔

موت کے وقت ان کی زبان سے کلمہ نہ نکلنے کا خطرہ بھی ہے۔

کما فی تفسیر القرطبی

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم: إن من اکبر الکبائر أن یلعن الرجل والدیه قبل یا رسول الله وکیف یلعن الرجل والدیه قال یسب الرجل أباه فیسب أباه ویسب أمه۔ (رواه البخاری ج:۲ ص:۸۸۳۔ یاسر ندیم دیوبند)۔

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ثلاث دعواتٍ مستجبات۔ لاشک فیهن دعوة المظلوم ودعوة المسافر ودعوة الوالد علی ولده۔ (رواه الترمذی فی سننه ج:۲ ص:۱۲۔ مکتبه بلال)۔

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یدخل الجنة منان ولا عاق ولا مُدمِنُ خمرٍ۔ (رواه النسائی فی سننه ج:۲ ص:۲۸۲۔ مکتبه بلال دیوبند)۔

عن أبی أمامة أن رجلاً قال: یا رسول الله ما حق الوالدین علی ولدهما؟ قال هم جنتک ونارک۔ (رواه ابن ماجه فی سننه ج:۲ ص:۲۶۰۔ یاسر ندیم دیوبند)

عن أبی بکرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ کل الذنوب یغفر الله منها إلا حقوق الوالدین فإنه یعجل لصاحبه فی الحیاة قبل الممات۔ (مشکاة المصابیح ج:۲ ص:۴۲۱۔ مکتبه ملت دیوبند)۔

عن عبد الله عمر رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: رضا الرب فی

رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔ (رواه الترمذی فی سننه ج:۲ ص:۱۲۔ بلال دیوبند)۔

من الذنوب ما یستوجب صاحبه نزع الإیمان ویخاف من ذلک حقوق الوالدین۔ (فی تفسیر قوله تعالیٰ: واتقوا النار التی أعدت للکافرین۔ (تفسیر القرطبی ج:۴ ص:۲۰۲۔ دار إحیاء التراث العربی)۔

الا إذا کان بعدم الفطر بعده حقوق لأحد الوالدین۔ (مجمع الأنهر ج:۱ ص:۳۸۸۔ فقیه الأمة)۔

البحر الرائق ج:۲ ص:۲۸۷۔ سعید کراچی۔

سئل عن رجل یَسِفُه علی والدیه مما یجب علیه؟ فأجاب إذا شتم الرجل أباه واعتدی علیه فإنه یجب أن یعاقب عقوبه بلیغة تردعه وأمثاله عن مثل ذلک۔ (مجمع الفتاویٰ ج:۳ ص:۲۲۶)۔

جھوٹ بولنا دوسرے پر بہتان باندھنا کیسا ہے؟

سوال: ایک شخص جھوٹ بولتا ہے دوسرے پر بہتان باندھتا ہے الزام تراشی کرتا ہے کہتا ہے کہ اس نے میرے اوپر جادو کر دیا جبکہ یہ ساری باتیں دوسرے کو رسوا کرنے کے لئے کہتا ہے۔ ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے جواب سے سرفراز فرمائے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کامل مسلمان تو وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور پاؤں سے دوسرے لوگ محفوظ و مامون ہوں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرے اور کسی کو رسوا بھی نہیں کرے اور نہ کسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے جو لوگ بلا سبب کسی مسلمان کو رسوا کرتے ہیں یا تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ وہ جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان پر تہمت لگانا اور اس کو رسوا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

شریعت کے لحاظ سے اسے آدمی کو فاسق کہا جاتا ہے۔جس کو دین کے ہر شعبے میں پیچھے رکھا گیا۔ چنانچہ اس کی امامت مکروہ اس کی شہادت مردود ہے۔کما ہو مذکور فی کتب الفقہ۔ ایسے آدمی سے محبت نہ رکھنا چاہیے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکوا االنار۔

البتہ ایسے آدمی کی توبہ تو قابل قبول ہے۔تو ان کو چاہیے جلد جلد توبہ کریں اپنی اصلاح کی فکر کریں اور اپنی آخرت کو تباہی سے بچائیں۔واللہ غفور الرحیم۔

الدلیل علی ما قلنا:

والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتاناً واثماً مبيناً۔(سورة الاحزاب رقم الآية:۵۸)۔

عن عبيد الله بن عمر رضى الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول۔ (فى حديث طويل) من قال فى مؤمنٍ ماليس فيه اسكنه الله ردغة الخبال حتى يخرج مماقال۔ (ابو داؤد شريف ج:۲ ص:۵۰۶۔مكتبه بلال۔ديوبند)۔

عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: (فى حديث طويل) من قال فى مؤمنٍ ما ليس فيه اسكنه الله ردغة الخبال حتى يخرج مماقال۔ (ابو داؤد شريف ج:۲ ص:۵۰۶۔مكتبه بلال۔ديوبند)۔

عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تناجسوا ولا تدابروا ولا يبع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله اخواناً المسلم أخوا المسلم۔ لا يظلمه ولا يخذ له ولا يحقره۔ (الصحيح للامام المسلم ج:۲ ص:۳۱۷)۔

أذية المؤمنين والمؤمنات وهى أيضاً بالأفعال القبيحة كالبهتان والتكذيب۔ (الجامع لأحكام القرآن ج:۱۴ ص:۲۴۰۔دار إحياء التراث العربى)۔

فاياكم وأذى المؤمن۔ فإن الله يحوطه ويغضب له۔ (تفسير الطبرى ج:۹

ص:۲۷۸۔بیروت)۔

ان الفسق تارة يكون بترك الفرائض وتارة بفعل المحرمات۔ (الموسوعة الفقهية ج:۳۲ ص:۱۴۱)۔

تقبل توبة الفاسق إذا اجتمعت شروطها۔ إلا ثلاثة اختلف الفقهاء فى قبول توبتهم۔ (هم الزنديق والساحر ومن تكررت ردته۔ (المصدر السابق ج:۳۲ ص:۱۴۵)۔

کتاب الحضانہ کے ایک مسئلے میں فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور حبیب الفتاویٰ کے ظاہر تعارض اور اس کا حل

باسمہ تعالیٰ

والساب میں ''دار الافتاء والارشاد'' اور ٹیلیگرام میں ''حبیب الفتاویٰ'' چینل کے ذریعے شائع کیا ہوا مسئلہ نمبر ۱۶ میں ایک محترم دوست نے لکھا ہے کہ ''لڑکی ماں کے پاس نو سال رہے گی یا بالغہ ہونے تک دار العلوم کا موقف دیکھ لینا چاہیے''۔

تو فتاویٰ دار العلوم میں جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۸۳ پر لکھا ہوا ہے کہ لڑکی بالغہ ہونے تک رہے گی۔لیکن ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس مسئلے میں حضرات فقہاء حنفیہ کی دو روایتیں ملتی ہیں کہ شیخین کے نزدیک بالغہ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی۔اور امام محمدؒ کے نزدیک حد شہوت میں پہونچنے تک رہے گی۔اور فقیہ ابو اللیث السمر قندی نے شہوت کی حد نو سال قرار دیا۔

تکون الجاریة عند الأم والجدة حتى تحیض عند الشیخین وعند محمد حتى تشتهى۔ (مجمع الأنهر ج:۱ ص:۱۶۹)۔

پہلی روایت کو صاحب الدر المختار العلامہ علاء الدین حصکفیؒ نے ظاہر الروایہ قرار دیا ہے۔

الأم والجدة أحق بها حتی تحیض أی تبلغ فی ظاہر الروایۃ۔

اور دوسری روایت جو حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے اس کو صاحب ملتقی الابحر نے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ۔ وبہ یفتی لفساد الزمان۔ (ج:۱ص:۲۹۹)۔

اور صاحب الدر المنتقی لکھتے ہیں کہ وعلیہ الاعماد ج:۱ص:۱۶۹۔

اور صاحب البحر الرائق ابن نجیم الحنفی المصری نے امام محمدؒ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کئی کتابوں کی عبارتوں سے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ نقایہ میں ہے کہ۔ خلاصہ اور غیاث المفتین میں ہے کہ۔ والاعتماد علی ہذہ الروایات لفساد الزمان۔ وھو المعتبر لفساد الزمان۔ اور التبیین میں ہے کہ وبه یفتی فی زماننا لکثرۃ الفساد۔

اس کے بعد صاحب بحر نے لکھا ہے کہ ’’الحاصل الفتویٰ علی خلاف ظاہر الروایۃ‘‘۔ (البحر الرائق ج:۴ص:۱۷۰۔ سعید کراچی)۔

ہم اپنے اکابرین کو دیکھتے ہیں کہ بعضوں نے قول اول پر فتویٰ دیا جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

اور بعضوں نے دوسرے قول پر فتویٰ دیا۔ جیسا کہ کفایۃ المفتی۔ (ج:۶ص:۲۲۴) میں ہے۔

اور ہمارے حبیب الفتاویٰ ج:۴ ص:۲۰۲۔ میں بھی ایسا ہی ہے۔

’’مابین بیتی ومنبری رمضۃ من ریاض الجنۃ‘‘ حدیث کی تحقیق

سوال: کیا کوئی حدیث ہے ما بین بیتی ومنبری رمضۃ من ریاض الجنۃ۔ میں نماز پڑھنے کی براہ کرم ارسال کریں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے بیچ جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ حضرات فقہاء باب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں ذکر کرتے ہیں کہ جو شخص روضہ اطہر کی زیارت کرے وہ بہت خشوع خضوع اور

انتہائی احترام کے ساتھ زیارت سے پہلے اس مبارک جگہ میں دو رکعت نماز پڑھے۔ اور زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بڑی نعمت کی توفیق ملی اس کا شکریہ ادا کرے۔ لیکن آج کل تو وہاں بہت بھیڑ رہتی ہے۔ اور اگر وہاں پہونچنے میں مزاحمت کرنی پڑے تو اس کو چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ اس کو واجب اور لازم نہ سمجھے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد الله بن زید المازنی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة۔ (مؤطا لإمام مالک، باب ماجاء فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم ص:۱۱۴۔ بیروت)۔

الصحیح للمسلم: باب فضل ما قبرہ صلی الله علیه وسلم۔ ومنبرہ وفضل موضع منبرہ۔ ج:۱ ص:۴۴۶۔ (فیصل)۔

الجامع للترمذی: باب ماجاء فی فضل المدینة۔ (ج:۲ ص:۲۲۹)۔ مکتبه بلال۔

سنن النسائي: باب ماجاء فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم والصلاة فیه۔ (ج:۱ ص:۸۱۔ مکتبه بلال)۔

والحضور عنده لملازمة الأعمال الصالحه تورد صاحبه الحوض ویقتضی شربه منه۔ (تنویر الحوالک ص:۲۲۸۔ أوجز المسالک ج:۴ ص:۲۰۴۔ مرکز الشیخ)۔

فتح الملهم ج:۶ ص:۵۳۲۔ فیصل دیوبند۔

ویدخل من باب جبرائیل وغیرہ کباب السلام فإذا دخلله قصد الروضة المقدس مع ملازمة الهیئة والخضوع والذلة علی وجه یلیق بالمقام۔ (ارشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری ص:۵۵۷۔ دار الکتب العلمیة بیروت)۔

ثم یدخل المسجد الشریف فیصلی تحیة عند منبره رکعتین ویقف بحیث یکون عمود المنبر الشریف بحذاء منکبه الأیمن فهو موقف النبی صلی اللہ علیه وسلم، ما بین قبره ومنبره روضة من ریاض الجنة، کما اخبر به صلی اللہ علیه وسلم۔
مراقی الفلاح علی نور الایضاح مع حاشیة الطحطاوی ص:۷۴۷۔ دار الکتاب فصل زیارة النبی صلی اللہ علیه وسلم۔

ویسجد لله شکراً علی هذه النعمة الجلیلة ویدعو بما یجب ثم ینهض فتوجه إلی القبر الشریف۔ (مجمع الأنهر علی ملتقی الابحر ج:۱ ص:۴۶۳۔ فصل ومن المهمات فقیه الأمة)۔

ان المندوبات تنقلب إلی المکرهات إذا رفعت عن رتبتها۔ (فتح الباری ج:۲ ص:۳۳۸۔ بیروت۔

مدرسین یا ملازمین کے لئے مدارس میں جو قانون ہوا کرتا ہے اسے ماننا ضروری ہے؟

سوال: ہندوستان میں جو مدارس ہیں ان مدارس کا اپنا الگ الگ ضابطہ و دستور ہے، جو مدرس یا ملازم جس مدرسہ میں ملازمت کرے۔ اس کے لئے اس مدرسہ کا قانون و دستور کو ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مدرسین اور ملازمین کے لئے مدارس میں جو قوانین اور ضوابط مقرر کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک مدرس یا ملازم کو اس کی رعایت کرنا اس کو ملحوظ رکھ کر چلنا از قبیل فرائض میں سے ہے۔ اور اس کا پابند ہونا ضروری ہے۔ سوائے وہ قانون جو خلاف شریعت ہو۔ لیکن عموماً مدارس کا قانون اصول شرع کے مطابق ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی اعتبار سے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ آج

کل تو اکثر مدارس میں ایسا ہو گیا کوئی مدرس یا ملازم اپنا نام اساتذہ یا ملازمین کی فہرست میں اندراج کروانے سے پہلے اس ادارے کے قوانین اور ضوابط ماننے پر دستخط کرنا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تو اس کے قانون وضوابط کو ماننا لازم وضروری ہوتا ہے۔ جو ایک سچے مؤمن کی پہچان ہے اور اس کے خلاف چلنا اور اس کی مخالفت کرنا۔ یعنی اپنے وعدے کے خلاف کرنا منافقین اور غداروں کی علامت ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً۔ (سنن الترمذی ج:۱ ص:۲۵۱۔ بلال دیوبند)۔ ابواب الاحکام۔

عن الحسن قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (المصنف لابن أبی شیبة ج:۱۸ ص:۲۴۷۔ کتاب السیر المجلس العلمی۔ بیروت)۔

وإذا شرط المکتری علی الأجیر أن یعمل بنفسه لزمه ذلک لأن العامل تعین بالشرط۔ (الموسوعة الفقهیة ج:۱ ص:۲۹۷)۔

مدارس کے مہتمم کی حیثیت

سوال: مدارس کے مہتمم کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی حیثیت امیر کی ہے؟ جس کی سمع وطاعت ضروری ہے یا کچھ اور ہے؟ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مہتمم کی حیثیت تو امیر کی حیثیت کی طرح نہیں ہے، لیکن چونکہ ذمہ داران مدرسہ مہتمم صاحب کو نائب بناتے ہیں۔

اورکسی بھی لوگ اس میں تدریس یا ملازمت کی ذمہ داری لینے سے پہلے اس شرط پر دستخط کرتا ہے کہ کسی قسم کا قانون بھی اگر دفتر اہتمام کی جانب سے پیش کیا جائے وہ قبل منظور ہے۔ایسی صورت میں تو مہتمم صاحب کے ہر قسم کے قانون کے تابعداری بننا ضروری ہے سوائے وہ قانون جوخلاف شریعت ہو۔

الدليل على ما قلنا:

عن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرّم حلالاً، أو أحل حراماً۔ (سنن الترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ مکتبہ بلال دیوبند)۔

عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ (المصنف لابن أبي شيبة ج: ۱۸ ص: ۲۴۷۔ كتاب السير المجلس العلمی)۔

وإن شرط المكترى على الأجير أن يعمل بنفسه لزمه ذلك لأن العامل تعين بالشرط۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۱ ص: ۲۹۷)۔

النائب مثل الأصيل۔ (شامی ج: ۴ ص: ۴۲۰۔ کراچی۔

ابھی شریعت کو چھوڑ کہنے کا حکم

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔حضرت ہمارے یہاں دو بھائی گھر کے بٹوارہ وغیرہ میں بحث کر رہے تھے۔ایک بھائی نے کہا کہ شریعت کے مطابق بٹوارہ ہوگا۔اتنے میں دوسرا بھائی کہتا ہے کہ ''ابھی شریعت کو چھوڑ'' تو ایسے شخص کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

برتقدیر صحت سوال ''ابھی شریعت کو چھوڑ'' کہنے والا کا مقصد اگر یہ ہو کہ شریعت کو

مانتے ہیں، اور اس کے احکام بھی ہر جگہ پر نافذ ہے لیکن ابھی وہ نہیں مان رہا ہے۔تو ایسی صورت میں گویا کہ وہ شریعت کے احکام نہ ماننے کی وجہ سے نافرمانی کی ہے۔اور فسق کا مرتکب ہوا ہے۔لیکن جس نے یہ جملہ کہا ہے اس سے بھی معلوم کرلیا جائے اس کی مراد اس کہنے سے کیا ہے۔ممکن ہے کہ کوئی ایسی مراد اس کے دل ودماغ میں ہو جہاں تک سامعین کا ذہن نہ پہونچ سکتا ہو۔

چونکہ اسلام اور کفر نازک مسائل میں سے ہے۔جس میں مکمل احتیاط برتنے کا حکم ہے۔

الدليل على ما قلنا:

إن العبد المؤمن لا يكون كافراً بالفسق والمعصية۔ (الفقه الأكبر ص: ۵۷۔ بيروت قديم)۔

إن الفسق تارة يكون بترك الفرائض وتارة بفعل المحرمات۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۳۲ ص: ۱۴۱)۔

قال: من ''برسم کارمیکخم'' يعني: أنا أفعل بالرسم لا بالشرع يكفر عند بعض المشايخ۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۲ ص: ۲۷۲۔ رشيديه)۔

ومن الإلحاد الطعن في الدين مع إدعاء الاسلام۔۔۔ وكذا الميل عن الشرع القديم۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۳۵ ص: ۱۵)۔

وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير۔۔۔ يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك ويتجديد النكاح۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۲ ص: ۲۸۳۔ رشيديه)۔

وفي الصغرى: الكفر شيئ عظيم فلا اجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر۔ (النهر الفائق ج: ۳ ص: ۲۵۳۔ زكريا)۔

لا يفتى بتكفير مسلم إن أمكن حمل كلامه على محملٍ حسنٍ أو كان في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة۔ (البحر الرائق ج: ۵ ص: ۱۲۵۔ سعيد)۔

غیر مسلم کے سوال کے جواب میں کیا کہا جائے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: حضرت ایک غیر مسلم دوست ہے، ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے، اور ملاقات کے وقت وہ السلام علیکم کہتا ہے۔ تو اس کے جواب میں کیا کہا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کسی مسلمان کو غیر مسلم نے سلام کر دی تو ایسی صورت میں اگر غیر مسلم اکیلا ہو تو صرف علیک کہے۔ اور اگر جماعت ہوں تو صرف علیکم کہے۔ اس سے زیادہ نہ کہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذ سلم علیکم أهل الکتاب فقولوا وعلیکم۔ (رواہ البخاری فی کتاب الاستئذان ج:۲ ص:۹۲۵۔ باب کیف الرد علی أهل الذمة۔ یاسر ندیم دیوبند)۔

أخرجه الإمام المسلم فی کتاب السلام ج:۲ ص:۲۱۲۔ باب النهی عن ابتداء أهل الکتاب بالسلام و کیف الرد علیهم۔ مکتبه فیصل دیوبند۔

أخرجه الإمام الترمذی فی کتاب التفسیر۔ فی تفسیر سورة المجادلة ج:۲ ص:۱۶۷۔ مکتبه بلال دیوبند)۔

أخرجه صاحب مشکاة المصابیح ج:۲ ص:۳۹۸۔ کتاب الآداب باب السلام مکتبه ملت دیوبند۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: أمرنا أن لا نزید علی أهل الکتاب علی وعلیکم۔ (فتح الباری ج:۱۱ ص:۵۲۔ بیروت)۔

قال النووی: اتفقوا علی الرد علی أهل الکتاب إذا سلموا لکن لا یقال لهم وعلیکم السلام۔ یعنی لا علیکم السلام و لا علیک السلام۔ بقرینة قوله بل یقال

علیکم فقط أو وعلیکم إذا کانوا جماعة وأما إذا کان منفرداً فلا یأتی بصیغة الجمع لإیهامه التعظیم۔ (مرقاة الفاتیح ج:۹ ص:۱۵۱ قدیم)۔

ولو سلم یهودی أو نصرانی أو مجوسی علی مسلم۔ فلا بأس بالرد ولکن لا یزید علی قوله وعلیک۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۶ ص:۴۱۳۔ کراچی)۔

اشعار کہنے کا کیا حکم ہے

سوال: شریعت محمدیہ میں اشعار کہنے اور سننے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اشعار کلام کی ایک قسم ہے، اس کا مضمون اگر اچھا ہو جیسے حمد باری تعالیٰ نعت نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ تو اچھا ہے۔

اور اگر اس کا مضمون برا ہو جیسے، جھوٹ، غیبت، تہمت اور عورتوں کے اعضاء کا تذکرہ، فساق کی تعریفیں اور دیگر فحش باتیں وغیرہ تو برا ہے۔

اس لئے احادیث نبویہ اور نصوص شرعیہ میں اس کی مدح و ذم دونوں ملتی ہے۔ دین اسلام کے کسی بھی حکم میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے۔ بلکہ اس دین کا مزاج ہی اعتدالی ہے۔ حضرات محققین لکھتے ہیں کہ:

اشعار میں جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا ہے۔ اور جس کا مضمون برا ہے وہ برا ہے۔ ''حسنہ حسن وقبیحہ قبیح''، چنانچہ علامہ شامی نے عبد الغنی النابلسی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: اشعار تین قسم کے ہیں: ۔(۱) مباح: یعنی جس پر نہ کوئی اجر ہے اور نہ کوئی وعید ہے۔ (۲) مثاب: یعنی جس پر اجر ملتا ہے۔ (۳) منهی عنه: یعنی جس پر اجر ملتا ہے۔

اور اس پر ہی محمول ہے علامہ ابن نجیم الحنفی المصری صاحب البحر الرائق کا قول:

ومندوب وهو الوضوء۔۔۔۔۔ عن الکذب وانشاد الشعر۔

یعنی انشاد شعر کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔ اسی لئے ذخیرہ احادیث میں اشعار کی

مذمت کی روایت بھی ملتی ہے۔اور مدح کی روایت بھی ملتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أبی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: أشعر کلمۃ تکلمت بہا العرب کلمۃ بید: ألا کل شیئ ما خلا اللہ باطل۔ ہذا حدیث حسن صحیح۔ (سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۱۲۔باب ماجاء فی انشاد الشعر)۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لأن یمتلی جوف أحدکم قیحاً خیر من أن یمتلی شعراً۔ (الصحیح للإمام البخاری ج:۲ ص:۹۰۹۔ باب فی ہجاء المشرکین)۔

قال الشافعی رحمہ اللہ: الشعر حسنہ کحسن الکلام، وقبیحہ کقبیحہ۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ج:۲۶۔ص:۱۱۳)۔

الشعر کالنثر یحمد حین یحمد ویذم حین یذم۔ (شامی ج:۱ ص:۲۶۰۔أحکام المساجد کراچی)۔

إن الوضوء ثلاثۃ أنواعٍ: فرض وہو لصلاۃ الفریضۃ۔۔۔۔ وواجب وہو الوضوء للطواف بالبیت ومندوب وہو الوضوء للنوم۔۔۔۔ وعن الغیبۃ والکذب وانشاد الشعر۔ (البحر الرائق ج:۱ ص:۱۶۔سعید باب فرائض الوضوء)۔

قال سیدی العارف باللہ تعالیٰ عبد الغنی النابلسی: فی شرحہ علی ہدایۃ ابن العماد: إعلم أن الشعر ثلاثۃ انواع۔ مباح ومثاب ومنہی عنہ۔ (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج:۱ ص:۱۶۔سعید)۔

میت کی یاد سے اگر کوئی اچھا یا بڑا کام کیا جائے تو کیا اس سے میت کو حصہ ملتا ہے

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: حضرت والا سے ایک بات معلوم کرنی تھی، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں میت کی یاد سے کچھ پروگرام کیا جات ہے، جن میں کچھ تو اسلامی پروگرام ہوتے ہیں مثلاً قرآن خانی، یا اصلاحی معاشرہ کے نام سے پروگرام رکھا جاتا ہے۔تو دوسری طرف سے کچھ خواہش پسند آدمی ہوتے ہیں۔جو میت کے نام سے غیر اسلامی پروگرام کرتے ہیں، مثلاً گانا بجانا یا قوالی کا پروگرام یا اشعار کا نام رکھا جاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ میت کے نام سے جو غیر اسلامی پروگرام کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ سے میت کو سزا ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر میت کی یاد سے کوئی اسلامی کام کیا جائے اور وہ میت بھی اس کا موجد یا وصی ہو تو اس مرحوم کو بھی اس سے کچھ سزا ہوگی اگر اس مرحوم کو اس سے کوئی تعلق نہ ہو نہ وہ اس کا موجد ہے اور نہ اس نے اس کی وصیت کر کے گیا ہے تو ایسی صورت میں اس کو سزا نہیں ہوگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

قولہ تعالیٰ: ولا تزر وازرۃ وزر أخری۔ (سورۃ النجم، رقم الآیۃ ج:۳۸)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال: المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیہ۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ ج:۱ ص:۳۰۲۔ کتاب الجنائز والإمام البخاری فی صحیحہ ج:۱ ص:۲۵۲۔فی کتاب الجنائز)۔

لا تؤخذ نفس بذنب غیرہا۔ بل کل نفس مأخوذۃ بجرمہا۔ ومعاقبہ بإثمہا۔ (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ج:۷ ص:۱۵۷۔دار إحیاء التراث العربی)۔

تفسیر الطبری ج:۵ ص:۲۵۴۔بیروت۔

ونقله النووی عن الجمهور: أنهم تأولوا ذلک علی من وصی أن یبکی علیه وینا ح بعد موته، فنفذت وصیته۔ (عمدة القاری ج:۶ ص:۱۰۹۔زکریا)۔

ھکذا فی فتح الملهم ج:۶ ص:۱۴۔فیصل دیوبند۔

وتأویل الحدیث أنهم فی ذلک الزمان کانوا یوصون بالنوح۔ فقال علیه السلام ذلک۔ (شامی ج:۲ ص:۲۴۶۔ کراچی)۔

البحر الرائق ج:۲ ص:۱۹۳۔سعید۔

لنگڑا اور جھینگا کھانے کا کیا حکم ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: حضرت اقدس دامت برکاتہم امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوانگے، عرض یہ ہے کہ کیکڑا اور جھینگا کھانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اللہ تعالیٰ نے سمندر کے شکار کو حلال قرار دیا ہے۔ اور حدیث پاک کی روشنی میں اس شکار سے صرف مچھلی مراد ہے۔ جھینگا کے مچھلی ہونے یا نہ ہونے میں حضرات اکابرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے مچھلی میں شمار کرتے ہیں جبکہ دوسرے بعض حضرات نے اس کو مچھلی میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ اور اسی اختلاف پر کھانے کے حکم کی بنیاد ہے۔ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے جھینگا استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اسے استعمال کرنے والوں کو حرام خور بھی نہیں کہا جائے گا۔

کیکڑا کے بارے میں حضرات حنفیہ کا متفقہ قول ہے کہ یہ مچھلی کے قبیل سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حرام ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

قوله تعالیٰ: أحل لکم صید البحر وطعامه۔ (سورة المائدة رقم الآیة: ۹۶)۔

قوله تعالیٰ: ویحرم علیهم الخبائث۔ (سورة المائده رقم الآیة: ۳)۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال: ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: أحلت لنا میتتنا: الحوت، والجراد۔ (سنن ابن ماجه ص: ۲۳۲۔ کتاب الصید)۔ (سنن الدارقطنی ج:۴ ص:۱۸۴۔ کتاب الأشربة وغیرها)۔

فلا یجوز اتفاقاً کحیات، وضب، وما فی بحر کسرطان، إلا السمک، (الدر المختار مع الشامی ج:۵ ص:۶۸۔ کراچی)۔

والضفدع، والسرطان والحیة ونحوها، من الخبائث۔ (بدائع الصنائع ج:۴ ص:۱۴۴۔ کتاب الصید زکریا)۔

مسالک اربعہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہے

سوال: آپ کا یہ نمبر مجھے آپ کا چینل ''حبیب الفتاویٰ'' سے ملا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت میں مسالک اربعہ شامل ہیں؟ یا صرف اس میں ہمارے علماء دیوبند ہی ہیں؟ اس کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے اس جماعت کو جس پر ''ما أنا علیه وأصحابي'' کا اطلاق ہوتا ہے اور مسالک اربعہ کے ماننے والے بھی اس میں داخل ہیں اور علماء دیوبند بھی۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد اللہ بن عمر، رضی اللہ عنهما، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ لیأتین علی أمتی ما أتی علی بنی اسرائیل، حذو النعل بالنعل حتی إن کان منهم من أتیٰ أمه علانیة لکان فی أمتی ما یصنع ذلک، وإن بنی اسرائیل نفرقت علی ثنتین

وسبعین ملة، وتفترق أمتی علی ثلاث وسبعین ملةِ کلهم فی النار إلا ملة واحدة، قالوا: من هی یارسول الله؟ قال: ما أنا علیه وأصحابی۔

(أخرجه الترمذی فی سننه ج: ۲ ص: ۹۳) باب افتراق الأمة۔

أخرجه الإمام أبو داؤد فی سننه ج: ۲ ص: ۶۳۱۔ فی باب شرح السنة من کتاب السنة۔

وهکذا أخرجه الإمام ابن ماجة۔ بتغیر یسیر۔ فی سننه: ص: ۲۸۷۔ فی باب افتراق الأمم من: ابواب الفتن۔

أخرجه البغوی فی مصابیح السنة۔ ص: ۳۰۔ فی باب الاعتصام بالکتاب والسنة۔

والفرق الناجیة: هم أهل السنة البیضاء المحمدیة والطریقة النقیة الأحمدیة، ولها ظاهر، سمی بالشریعة شرعة العامة، وبالطن، سمی بالطریقة منهاجاً للخاصة، وخلاصة خصت باسم الحقیقة، معراجاً لأخص الخاصة۔ (مرقاة المفاتیح ج: ۱ ص: ۲۴۸۔ قدیم)۔

بینک میں نوکری کرنے کا حکم

سوال: ہر ایک دوست بینک میں نوکری کرتا ہے کیا بینک میں نوکری کرنا جائز ہے؟ اگر میرے دوست کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اس کے علاوہ تو کیا یہ نوکری جاری رکھ سکتا ہے؟ تفصیلی جواب ارسال کر کے عند اللہ ماجور رہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سود لینا، سود دینا، اور اس کا حساب لکھنا، اور اس کی گواہی دینا باعث لعنت ہے۔ آج کل تو اکثر بینکوں میں سود کا معاملہ ہوتا ہے، اس لئے بینک میں بطور کیشیر، کلرک، منیجر، کام کرنا درست نہیں ہے، البتہ بعض حضرات نے بینک میں چوکیداری، چپراسی کی ملازمت کو جائز

رکھا ہے۔ بشرطیکہ اعانت علی المعصیہ کی نیت نہ ہو لیکن یہ بھی بہتر نہیں ہے۔ جلد از جلد دوسری کسی نوکری کو تلاش کرے۔ یہ کوئی عذر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ ہمارا اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ بلکہ رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ حلال ذرائع بہت ہیں، ان کو تلاش کرنا چاہئے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وما من دآبة فی الأرض علی الله رزقها ویعلم مستقرها ومستودعها۔ کل فی کتاب مبین۔ (سورہ ھود رقم الآیة: ۶)۔

(۲) عن جابر، قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ أکل الربا، وموکله، وکاتبه، وشاهدیه۔ وقال: هم سواء۔ (الصحیح لمسلم ج: ۲ ص: ۲۷۔ فیصل)

(۳) عن صفوان بن أمیة قال: کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ فجاءه عمرو بن قرة فقال: یا رسول الله إن الله قد کتب علی الشقوة۔ فما أرانی أرزق إلا من دفی بکفی، فأذن لی فی الغناء فی غیر فاحشة۔ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ لا أذن لک۔ ولا کرامة۔ ولا نعمة عین۔ کذبت، أی عدوّ الله طیّباً حلالاً۔ فاخترت ما حرّم الله علیک من رزقه مکان ما أحل الله عز وجل لک من حلاله۔ (سنن ابن ماجه ص: ۱۸۷۔ باب المخنثین من کتاب الحدود)۔

(التفسیر للبیضاوی) تحت قوله تعالیٰ۔ ومما رزقناهم ینفقون۔ ص: ۲۰۔

(۴) فإن کانت الوظیفة تتضمن مباشرة العملیات الربویات، أو العملیات المحرمة لآخری، فقبول هذه الوظیفة حرام۔ وذلک مل التعاقد بالربو أخذ أو عطاء۔ أو خصم الکمبیلات، أو کتابة هذه العقود۔ أو التوقیع علیها، أو تقاضی الفوائد الربویة۔ أو دفعها، أو قیدها۔۔۔ أما إن کانت الوظیفة لیس لها علاقة مباشرة بالعملیات الربویة، مثل وظیفة الحارس۔ أو سائق السیارة۔ أو العامل علی الهاتف۔۔۔ فلا یحرم قبولها۔ إن لم یکن بنیة الإعانة علی العملیات

المحرمۃ۔ (فقہ البیوع ج: ۲ ص: ۱۰۶۴۔ دار المعارف)۔

(۵) وفی فتاویٰ أهل سمرقند استأجر رجلاً لینحت له مزماراً أو طُنبوراً أو بربطاً ففعل یطیب له الآجر إلا أنه یأثم فی الإعانة علی المعصیة۔ (البحر الرائق ج: ۸ ص: ۲۰۔ باب الاجارۃ الفاسدۃ سعید)۔

اولاد کی شکایت اپنے والدین کہ یہ ہمارا حق ادا نہیں کیا یہ کیسا ہے؟

سوال: کسی کی اولاد باپ سے یہ شکایت کرتی ہے کہ تم نے ہمارا حق ادا نہیں کیا۔ لہٰذا بزبان حال یہ کہتے ہیں قرآن میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی جو آیت (۱۵ نمبر پارہ، وقضی ربک الخ) ہے اس کے ہم مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ تم نے ہمارا حق ادا نہیں کیا۔ تو ہم کیوں تمہارا خیال رکھیں۔ حالانکہ ان کا والد بوڑھا ہے محنت مزدوری کے قابل نہیں ہے (اور لڑکے سب شادی شدہ ہیں کام بھی کرتے ہیں) ان کی یہ سوچ رکھنا اور اس پہ عمل کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر مسلمان سے چند حقوق کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ جیسے والدین، بیوی یا شوہر، اپنی اولاد، اقارب و اعزاء، خادم، غلام، باندی پڑوسی، اور عام مسلمانوں کے حقوق۔

اور ہر حقدار کے حق کو ادا کرنا ضروری ہے۔ ان مذکورہ حقوق میں سے چند حقوق تو ایسے ہیں۔ جو از قبیل فرائض ہیں۔ جیسے والدین کے حقوق۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اس لئے کہ انہوں نے بھی تم پر احسان کیا ہے۔

هل جزاء الاحسان إلا الاحسان۔

احسان کے بدلے احسان کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ والدین نے اپنی اولاد کے حقوق ادا کئے یا نہیں؟ وہ اپنی جگہ پر ہے۔

لیکن کیا بغیر ماں باپ کی شفقت و خدمت کے کوئی لڑکا بڑا ہو جاتا ہے لڑکے کا وہ قول جو

سوال میں مذکور ہے بے انتہا قابل مذمت ہے۔ اس کے اس جملہ سے دہریت اور کفر کی بو آتی ہے ایسے لڑکے پر لازم ہے فوراً توبہ و استغفار کرے اور اپنے ایمان اور آخرت کو بچانے کی فکر کرے اور ماں باپ کے قدموں میں گر کر اپنی آخرت کو بچائے۔

حدیث پاک میں والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ۔ وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه۔

اگر چہ انہوں نے تم پر ظلم کیا ہو۔ حضرات مفسرین تو لکھتے ہیں کہ والدین اگر کافر ہوں تب بھی ان کے لئے ہدایت کی دعائیں کرنی چاہئے، اور غور سے دیکھئے روح شریعت اور مسلک فقہاء کو۔۔۔۔

والدین پر اگر اپنی اولاد کا قرض ہو اور اسے وہ ادا نہیں کر پا رہے ہوں تو ان کو اولاد کی قرض کی وجہ سے محبوس نہیں کیا جائے گا۔

اولاد پر اپنے والدین کا نفقہ لازم ہے۔ اگر چہ والدین کمائی پر قادر ہوں ایک قول کے مطابق۔

اولاد اگر مالدار ہو، تو والدین کا نفقہ اولاد کے مال سے دیا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

وقضی ربک الا تعبدوا إلا ایاه وبالوالدین إحسانا، إما یبلغن عندک الکبر أحدهما أو کلاهما فلا تقل لهما اف ولا ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما۔ (سورۃ الاسراء، رقم الآیة: ۲۳)۔

(۲) عن علی: قال: ان قریشا هم أئمة العرب أبرارها أئمة ابرارها۔ وفجارها أئمة فجارها۔ ولکل حق فأدوا إلی کل ذی حق حقه۔ (المصنف لابن ابی شیبة ج: ۱۷ ص: ۲۹۱۔ کتاب الفضائل المجلس العلمی)۔

(۳) وعن ابن عباس۔ رضی اللہ عنهما۔ قال: قال رسول اللہ۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ من أصبع مطیعاً للہ فی والدیه أصبح له بابان مفتوحان من الجنة۔ وإن کان واحداً

فواحداً ومن أمسى عاصياً لله في والديه اصبح له بابان مفتوحان من النار۔ إن كان واحداً فواحداً۔

قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: وإن ظلماه، وإن ظلماه۔ (مشكاة المصابيح ج:۲ ص:۴۲۱۔ ابواب البر والصلة۔ الفصل الثالث۔ مكتبة بلال۔

(۴) قوله تعالىٰ: وبالوالدين إحساناً، لأنها السبب الظاهرى للوجود والتعيش۔ (تفسير المظهرى ج:۵، ص:۲۸۷۔ زكريا ديوبند)۔ تفسير روح المعاني ج:۹ ص:۸۷۔

(۵) لأن الوالدين: إذا كانا كافرين، فله أن يدعو لهما بالهداية، والإرشاد، وأن يطلب الرحمة لهما بعد حصول الإيمان۔ (التفسير الكبير ج:۲۰ ص:۱۹۱۔ دار إحياء التراث العربي۔ تفسير القرطبي ج:۱۰ ص:۲۳۹۔ دار إحياء التراث العربي)۔

(۶) ولا يجس والد وإن علا في دين ولده وإن سفل۔ (مجمع الأنهر ج:۲ ص:۱۹۲۔ فقيه الأمة ديوبند)۔ (شامي ج:۳ ص:۶۱۲۔ كراچى)۔

الدر المنتقى ج:۲ ص:۱۹۲۔ فقيه الأمة ديوبند۔

حاشية الشرنبلالي على دور الحكام غرر الأحكام۔ ج:۱ ص:۴۱۸۔ قديم۔

الفقه الاسلامي وادلته ج:۸ ص:۷۶۹۵۔ دار الفكر المعاصر۔

(۷) وتجب النفقة بأنواعها على الحر (بطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) وتحته في الشامية: قال في الذخيرة: فإن اقدر على الكسب تفرض النفقة عليه۔ (الدر المختار مع الشامي ج:۳ ص:۶۱۲۔ مطلب الصغير والمكتسب نفقته في كسبه، لا على أبيه كراچى۔

عمرہ کے طواف میں اگر رمل بھول جائے تو کیا اس کا طواف ہوگا یا نہیں؟

سوال: عمرہ کے طواف میں اگر کوئی شخص رمل بھول جائے تو کیا کرنا ہوگا؟ طواف ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہے، اس میں پہلے تین چکروں میں رمل کرنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص پہلے چکر میں رمل کرنا بھول جائے تو دوسرے اور تیسرے چکر میں رمل کرے۔ اور اگر پہلے تینوں چکروں میں رمل کرنا بھول جائے، تو اس کا طواف درست ہو جائے گا۔ اور کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ البتہ رمل کی جو فضیلت تی وہ اسے نہیں ملے گی۔ اور بقیہ چار چکروں میں رمل نہ کرے، چونکہ اس میں رمل نہ کرنا مسنون ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أبي الطفيل، قال: قلت لا بن عباس: أرأيت هذا الرمل بالبيت ثلاثه أطواف ومشى أربعة أطواف۔ أسنة هو؟ فإن قومك يزعمون أنه سنة قال فقال: صدقوا، وكذبوا قال قلت: ما قولك: صدقو، وكذبوا؟ قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدمه مكة، فقال المشركون إن محمداً وأصحابه لا يستطعون أن يطوفوا بالبيت من الهزال وكانوا۔ يحسدونه۔ قال: فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ أن يرملوا ثلاثاً۔ ويمشوا أربعاً۔ (الصحيح لمسلم ج:۱ ص:۴۱۱۔ باب استحباب الرمل۔ في الطواف في العمرة۔ وفي الطواف الأول في الحج۔ (فيصل)۔

(۲) وأما الرمل: فالأصل فيه أن كل طواف بعده سعى فمن سننه الاصطباع

والرمل فی الثلاثة الأشواط الأول منه۔ وکل طواف لیس بعده سعی فلا رمل فیه۔
وهذا قول عامة الصحابة۔ رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔

بدائع الصنائع ج:۲ ص:۳۴۱۔ زکریا۔

النهر الفائق ج:۲ ص:۷۶۔ زکریا۔

شامی ج:۲ ص:۴۹۸۔ کراچی۔

هندیه ج:۱ ص:۲۲۶۔ رشیدیه۔

(۳) (ورمل) أی مشی بسرعة مع تقارب الخطی وهز کتفیه (فی الثلاث الأول) استناناً (فقط) فلو ترکه أو نسایه ولو فی الثلاثة لم یرمل فی الباقی، وتحته فی السامیة: قال فی الفتح ولو مشی شوطاً ثم تذکر لا یرمل إلا فی شوطین، وإن لم یذکر فی الثلاثة لا یرمل بعد ذلک أی لأن ترک الرمل فی الأربعة سنة فلو رمل فیها کان تارکاً للسنتین وترک إحداهما أسهل بحر۔

الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۴۹۸۔ کراچی۔

النهر الفائق ج:۲ ص:۷۶۔ زکریا۔

البحر الرائق ج: ص:۳۳۰۔ سعید۔

لباب المناسک مع شرحه ص:۱۷۶۔ دار الکتب العلمیه۔

ہاتھ یا پیر میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرد اور عورتوں کے لئے ہاتھ اور پیروں میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عورتیں اپنے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگا سکتی ہیں، بلکہ ان کے لئے یہ باعث زینت ہے، اور مردوں کے لئے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگانا شرعاً درست نہیں ہے۔ البتہ بطور

علاج استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی نضرة عن رجل عن أبی هریرة۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ طیب الرجال ما ظهر ریحه وخفی لونه وطیب النساء ما ظهر لونه وخفی ریحه۔

(سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۰۷۔ باب ماجاء فی طیب الرجال والنساء من أبواب الأدب)۔

(۲) وعن أبی هریرة۔ رضی اللہ عنه۔ قال: أتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ بمخنّث۔ قد خضب یدیه ورجلیه بالحناء۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ مابال هذا؟ قالوا: یتشبه بالنساء فأمر به فنفی إلی النقیع۔ فقال: یا رسول اللہ۔ ألا تقتله۔ فقال: إنی نهیت عن قتل المصلین۔ رواه ابوداؤد۔ (مشکاة المصابیح ج:۲ ص:۳۸۷۔ باب الرجل مکتبه ملت)۔

(۳) عن عکرمة، عن ابن عباس، قال: لعن رسول اللہ۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهین بالنساء من الرجال۔ هذا حدیث احسن صحیح۔ (سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۰۶۱۔ ابواب الأدب)۔

(۴) حدثنا صفیة بنت عصمة عن عائشة أن امرأة مدت یدها إلی النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ بکتاب فقبض یده فقالت: یا رسول اللہ، مددت یدی إلیک بکتاب قلم تاخذه فقال۔ إنی لم أدر أید أمرأة هی أو رجل۔ قالت: بل ید امرأة۔ قال: لو کنت امرأة لغیرت اظفارک بالجنّاء۔

(سنن النسائی ج:۲ ص:۲۳۷۔ باب الخضاب للنساء مکتبه بلال، دیوبند)۔

(۵) یستحب للرجل خضاب شعره، ولحیته، ولو فی غیر الحرب فی الأصح، وتحته فی الشامیة، لا یدیه ورجلیه۔ فإنه مکروه للتشبیه بالنساء۔ (شامی ج:۴ ص:۴۲۲۔ کتاب الحظر والإباحة۔ کراچی)۔

غیر مسلم کی دعوت میں شرکت کرنا

سوال: اگر کوئی غیر مسلم اپنی والدہ کے انتقال پر کچھ مسلمانوں کو دعوت کرے، تو کیا اس میں شریک ہو سکتے ہیں؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

غیر مسلم کی میت کی دعوت میں جانا غیرت اسلامی کے خلاف ہے مصالح شرعیہ کے پیش نظر حسب المصالح مشروع ہے بشرطیکہ ضیافت حلال چیز سے ہو۔ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ ضیافت حرام چیز سے ہے۔ تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) يايها الذين اٰمنوا لا تتخذوا عدوىٔ وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة الخ۔ (سورة الممتحنة۔ رقم الآية ج: ۱)۔

(۲) عن أبى وائل، وإبراهيم، قالا: لما قدم المسلمون أصابوا من أطعمة المجوس من جبنهم وخبزهم، فأكلوا ولم يسألوا عن ذلک۔ (المصنف لابن أبى شيبة ج:۱۷ ص:۴۱۶۔ المجلس العلمى رقم الحديث۔ ص ۳۳۳۴۴)۔

(۳) ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذا ذكر محمد۔ رحمه الله تعالىٰ۔ وفى اضحية النوازل المجوسى أو النصرانى إذا دعا رجلا إلى طعامه تكره الاجابة وان قال اشتريت اللحم من السوق فإن كان الداعى نصرانيا فلا بأس به وماذكر فى النوازل فى حق النصرانى يخالف رواية محمد۔ رحمه الله تعالىٰ۔

(الفتاوىٰ الهندية ج:۵ ص:۳۴۷۔ كتاب الكراهية۔ الباب الرابع عشر فى أهل الذمة والاحكام التى تعود إليهم۔ رشيدية۔

(۴) ويقبل قول الفاسق، والكافر، والعبد فى المعاملات لكثرت وقوعها: وتحته فى الشامية: قوله لكثرة وقوعها: فاشتراط العدالة فيها، يؤدى إلى الحرج

وقلمايجد الإنسان المستجمع لسرائط العدالة۔ الخ۔

شامى ج:۶ ص:۳۴۵۔ كتاب الحظر والإباحة۔ كراچى۔

(۵) أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام۔ فامن كان الغالب هو الحرام ينبغى أن لا يقبل الهدية۔ ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال۔ ورثته أو استقرضته من رجل۔ كذا فى الينابيع۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۵ ص:۳۴۲۔ الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات۔ رشيديه)۔

(۴) ويقبل قول الفاسق، والكافر، والعبد فى المعاملات لكثرت وقوعها: وتحته فى الشامية: قوله لكثرة وقوعها: فاشتراط العدالة فيها يؤدى إلى الحرج، وقلمايجد الإنسان المستجمع لسرائط العدالة۔ الخ۔

شامى ج:۶ ص:۳۴۵۔ كتاب الحظر والإباحة۔ كراچى۔

(۵) أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام۔ فان كان الغالب هو الحرام ينبغى أن لا يقبل الهدية۔ ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال۔ ورثته أو استقرضته من رجل۔ كذا فى الينابيع۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۵ ص:۳۴۲)۔

الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات۔ رشيديه۔

کیا قبل کے علاوہ دوسری جگہوں سے جماع کرنا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے اس (اپنی بیوی) کے قبل اور کے علاوہ کسی دوسری جگہ جماع کر کے اپنی شہوت پوری کرے۔

مثلاً اپنی بیوی کے شکم پر اپنے عضو تناسل سے ملامسہ کر کے اپنی شہوت پوری کرے یا

اپنی بیوی کی دونوں پستانوں کے درمیان اپنے عضوِ تناسل سے ملامسہ کرکے اپنی شہوت پوری کرے یا اپنی بیوی کی دونوں رانوں کے درمیان ملامسہ کرکے اپنی شہوت پوری کرے۔ یا اپنی بیوی کے ہاتھ میں اپنے عضوِ تناسل کو دیکر شہوت پوری کرے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

تو اس کا کیا حکم ہے۔ برائے مہربانی جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ناجائز تو نہیں ہے، البتہ بیوی کی رضا مندی کا خیال رکھے، چونکہ وطی میں میاں بیوی دونوں کا حق ہوتا ہے، لیکن بغیر عذر ایسا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ چونکہ اس میں ایک خاص قسم کا پانی ضائع ہوتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے قدرتِ تولید رکھی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) نساؤکم حرث لکم فأتوا حرثکم انّی شئتم۔ وقدموا لانفسکم۔ واتقوا اللّٰہ۔ واعلموا انکم ملٰقواہ۔ وبشر المؤمنین۔ (سورۃ البقرۃ رقم الآیۃ: ۲۲۳)۔

(۲) قال محمد بن الحسن: قلت (للشافعی) فما تقول لو وطئها بین ساقین، أو تحت بطنها، أو أخذت ذکرہ بیدها۔ أفی ذلک حرث؟ قال: لا: قلت: أفتحرم ذلک قال: لا:۔ (تفسیر المظهری ج: ۱ ص: ۳۱۲) زکریا۔

(۳) قال الخطیب: لما سئل عن ذلک، ماصح عن النبی۔ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ فی تحلیله ولا تحریمه شیئی۔ (تفسیر روح المعانی ج: ۲ ص: ۱۸۹۔ زکریا)۔

(۴) إن سبب إتیان النساء فی لأدبار الاستقذار، وذلک منتف فیمن وطئها بین ساقیها، ونحو ذلک۔ (تفسیر المظهری: ج: ۱ ص: ۳۱۳۔ زکریا)۔

(۵) ولا یجوز تفویت حق الإنسان من غیر رضاہ، فإذا رضیت، جاز۔ (إعلاء السنن ج: ۱۷۔ ص: ۴۰۴۔ کراچی)۔

(۶) فیکون الوطء حقا لهما، لأنه لو لم یکن لها فیه حق لما وجب استئذانها فی العزل۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۹ ص: ۶۵۹۹۔ دار الفکر المعاصر)۔

اِذا جامع فلم یمن حدیث کی تحقیق

سوال: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پاک جس کے الفاظ ہیں: ارأیت اِذا جامع فلم یمن۔ کس کتاب میں ہے اور صحت کے لحاظ سے کس درجہ کی ہے؟ برائے کرم وضاحت فرمادیں، ہم آپ کے بے حد شکر گذار رہوں گے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

روایت بالا احادیث کی کئی کتابوں میں مذکور ہے، ان میں صحیحین اور مسند احمد سر فہرست ہے، دیکھئے ''المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث: صحت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کیونکہ بخاری ومسلم دونوں بزرگوں نے اسے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ البتہ حکم کے لحاظ سے یہ روایت منسوخ ہے۔ ناسخ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ إذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب علیه الغسل۔ زاد مسلم۔ وإن لم ینزل۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

''إن الأمة مجمعة الآن علی وجوب الغسل بالجماع، وإن لم یکن معه انزال، وکانت جماعة من الصحابة علی أنه لا یجب إلا بالإنزال ثم رجع بعضهم۔ وانعقد الاجماع بعد الآخرین۔

الدلیل علی ما قلنا:۔

(۱) عن زید بن خالد أنه سأل عثمان بن عفان قال: أرایت إذا جامع الرجل امرأته فلم یمن؟ قال عثمان: یتوضأ کما یتوضأ للصلاۃ۔ ویغسل ذکرہ، قال عثمان: سمعته من النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ فسألت عن ذلک علیاً والزبیر وطلحة وأبی بن کعب، فامروہ بذلک۔ (الصحیح للبخاری۔ باب من لم یر الوضوء من المخرجین، القبل والدبر۔ لقوله تعالیٰ: أو جاء أحد منکم من

الغائط۔

(۲) عن أبی سلمة أن عطاء بن یسار۔ أخبره أن زید بن خالد الجهنی۔ أخبره أنه سأل عثمان بن عفان، قال: قلت أرایت إذا جامع الرجل المرأة فلم یمن؟ فقال عثمان: یتوضأ وضوءه للصلاة ویغسل ذکره۔ وقال عثمان: سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ قال: وسألت عن ذلک علیاً۔ والزبیر، وطلحة، وابی بن کعب، فامروه بذلک۔

مصنف ابن ابی شیبة: باب من کان یقول الماء من الماء، رقم الحدیث ص: ۹۶۵۔

(۳) وأجاب الحافظ وغیره بأن الحدیث ثابت من جهة اتصال اسناده وحفظ رواته ولیس هو فرداً ولا یقدح فیه افتاؤهم بخلافه لأنه ثبت عندهم ناسخه فذهبوا الیه، فکم من حدیث منسوخ۔ وهو صحیح من حیث الصناعة الحدیثیة۔ وقد ذهب الجمهور إلی نسخه بحدیث ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم۔ قال: إذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل۔ (رواه الشیخان وأبو داؤد والنسائی وابن ماجه وبحدیث عائشة نحوه مرفوعاً فی مسلم وغیره وروی أحمد والشافعی والنسائی وابن ماجه والترمذی وقال: حدیث حسن صحیح۔

وابن حبان وصحیحه عن عائشة مرفوعاً: إذا التقی الختانان فقد وجب الغسل۔ وبما رواه احمد وابو داؤد وغیرهما عن سهال بن سعد حدثنی ابی بن کعب أن الفتیا التی کانوا یقولون: الماء من الماء رخصة۔ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ رخص بها فی اول الاسلام ثم امر بالاغتسال بعد۔ صحیحه ابن خزیمة وابن حبان وغیرهما، قال الحافظ، علی أن حدیث الغسل وإن لم ینزل ارجح لأنه بالمنطوق من حدیث الماء من الماء لأنه بالمهرم أو بالمنطوق ایضاً۔ لکن ذاک

أصرح منه، وروی ابن ابی شیبة وغیره۔ عن ابن عباس۔ أنه حمل حدیث الماء من الماء علی صورة مخصوصة وهی ما یقع فی المنام من رؤیة الجماعه۔ (شرح الزرقانی علی المؤطا ج: ۱ ص: ۱۹۶۔ مکتبة الثقافة الدینیة قاهرة۔

(۴) فی أخر کتاب الغسل ونبین هناک أنه منساوخ ولا یقال إذا کان منسوخاً کیف یصح الاستدلال به لأنا نقول المنسوخ منه عدم وجوب الغسل وناسخه الامر بالغسل۔ (فتح الباری ج: ۱ ص: ۲۸۳)۔ بیروت۔

(۵) وهذا منسوخ لما بیناه ومذهب الجمهور هو أن ایجاب الغسل لا یتوقف علی انزال المنی۔ بل متی غابت الحشفة فی الفرج وجب الغسل علی الرجل والمرأة، ولذا جائ فی روایة اخری فی (الصحیح) وإن لم ینزل۔ (عمدة القاری ج: ۳ ص: ۲۵۲)۔ دار إحیاء التراث العربی۔

قبرستان میں بلڈنگ وغیرہ بنا کر کرایہ دینا کیسا ہے؟

سوال: مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جس زمین کو قبرستان کے لئے وقف کیا گیا ہے اس میں بلڈنگ وغیرہ بنا کر اس کے نفع سے قبرستان کی دیگر حوائج میں لگا سکتے ہیں؟ برائے کرم دین کے صحیح موقف سے ہمیں آگاہ فرمائیے ممنون ہوں گا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

قبرستان کے لئے موقوفہ جگہ پر قبریں ہی بنانی چاہئے۔ تاکہ واقف کا منشا پورا ہو سکے۔ اس پر بلڈنگ اور دوکانیں وغیرہ کی تعمیر درست نہیں ہے۔ لیکن اگر قبرستان بہت کشادہ ہو۔ اس میں ایک کنارہ ایسا ہو جو دفن کے کام میں نہ آتا ہو۔ یا دوسرے کے قبضہ کا ڈر ہو۔ تو اس جگہ کی حفاظت کی غرض سے قبرستان کی مصلحت کے لئے کچھ بنایا جا سکتا ہے، جیسے دوکانیں وغیرہ لیکن اگر دفن کے لئے لوگوں کو اس جگہ کی ضرورت پڑ جائے تو اسے ہٹا کر اس میں بھی دفن کیا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) شرط الواقف کنص الشارع، أی: فی المفهم والدلالة۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۴ ص:۴۳۳) کراچی۔

(۲) ونص أبو عبد الله الدمشقی فی (کتاب الوقف) عن شیخه شیخ الاسلام قول الفقهاء: نصوصه۔ (الواقف) کنص الشارع۔ (شامی ج:۴ ص:۴۳۴۔ کراچی)۔

(۳) فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع۔ (شامی ج:۴ ص:۳۶۶۔ کراچی)۔

(۴) شرط الواقف کنص الشارع، فیجب اتباعه۔ (شامی ج:۴ ص:۴۹۵۔ کراچی)۔

(۵) سئل القاضی الإمام شمس الأئمة محمود الآزوجندی عن المقبرة القری إذا اندرست۔ ولم یبق فیها أثر الموتی لا العظم ولا غیره۔ فهل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حکم المقبرة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج:۲ ص:۴۷۱۔ رشیدیه)۔

(۶) أرض لأهل قریة، جعلوها مقبرة، وأقبروا فیها، ثم إن واحدا من أهل القریة یبنی فیها بیتاً لوضع اللبن، وأداة القبر، وأجلس فیها من یحفظ المتاع بغیر رضا أهل القریة۔ أو رضی بذلک بعض۔ إن کان فی القبر سعة بحیث لا یحتاج إلی ذلک المکان۔ رفع البناء حتی یقبر فیه۔ (فتاویٰ قاضی خان ج:۳ ص:۱۹۱۔ ۱۹۲) بیروت۔

ضحوی صغری اور کبریٰ میں فرق؟

سوال: (۱) ضحوی صغری اور کبری میں کیا فرق ہے؟

(۲) ''السلام علیکم'' پر دس نیکیاں اور ''ورحمۃ اللہ'' پر بیس نیکیاں اور ''وبرکاتہ'' پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

(۱) سورج کی روشنی اچھی طرح نکلنے کے بعد سے لے کر زوال شمس تک وقت شرعاً ضحوہ کہا جاتا ہے۔ ٹھیک دو پہر یعنی ''نصف النہار الشرعی'' کو ضحوی کبری اور اس سے قبل جو حالت رہتی ہے اسے ضحوی صغری کہا جاتا ہے۔ (۱)

چند احکام شرعیہ ایسے ہیں جو ضحوی کبریٰ سے متعلق ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں ضحوی کبری یعنی استواء الشمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک، نذر معین اور نفل روزے کی نیت رات سے لیکر ضحوی کبری تک کسی بھی وقت کر سکتے ہیں۔

(۲) السلام علیکم پر دس نیکیان، اور ''ورحمۃ اللہ'' پر بیس نیکیاں اور ''وبرکاتہ'' پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ صحیح صریح حدیث سے ثابت ہے۔ (۲)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فوقت الضحوة من حین تبیض الشمس إلی أن تزول۔ (المبسوط للسرخسی ج:۹ ص:۵) جدید۔

هکذا فی: الفقه الاسلامی وأدلته ج:۴ ص:۲۵۳۰۔ دار الفکر المعاصر۔

نصف النهار الشرعی هو الضحوة الکبری۔ (شامی ج:۲ ص:۴۰۳۔ کتاب الصوم مطلب فی حکم الاستمناء بالید۔ کراچی)۔

وکره تحریماً مطلقاً مع شروق واستواء۔ وتحته فی الشامیة: لروایة أبی سعید عن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ أنه نهی عن الصلاة نصف النهار حتی تزول الشمس۔۔۔ وبأن المراد: انتصاف النهار الشرعی، وهو الضحوة الکبری۔ (شامی ج: ۱ ص: ۱۷۱۔ کتاب الصلوٰۃ، مطلب یشترط العلم۔ بدخول الوقت کراچی)۔

فیصح أداء صوم رمضان، والنذر المعین۔ والنفل، بنیة من اللیل، فلا تصح قبل الغروب ولا عنده إلی الضحوة الکبری، ولا بعدها، ولا عندها۔

(الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۳۷۷۔ کتاب الصوم۔ کراچی)۔

فی المسئلة الثانیة:

(۲) عن عمران بن حصین: رضی اللہ عنه۔ قال: جاء رجل إلی النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ فقال: "السلام علیکم" فرد علیه، فجلس۔ فقال: عشر۔

ثم جاء رجل أخر، فقال: السلام علیکم و رحمة اللہ۔ فرد علیه فجلس فقال: عشرون۔

ثم جاء أخر، فقال: السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہٗ۔ فرد علیه، فجلس فقال: ثلاثون۔

رواہ أبو داؤد فی سننه: ج: ۲ ص: ۷۰۶۔ فی باب، کیف السلام۔ بلال۔

(رواہ الترمذی فی سننه ج: ۲ ص: ۹۸۔ باب، ما ذکر فی فضل السلام۔ مکتبه بلال۔

رواہ البغوی فی مصابیح السنة ج: ۱ ص: ۳۹۸۔ فی باب السلام۔ من کتاب الآداب، مکتبه ملت۔

سلام کرنا اور اس کے جواب دینے کا حکم

سوال: کیا سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے؟

اور دعوت قبول کرنا واجب ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا مستحب ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سلام کرنا سنت ہے، اور اس کا جواب دینا واجب ہے، مگر یہاں سنت پر عمل کرنا واجب سے بہتر ہے۔ اگرچہ فقہی قواعد میں ہے کہ "أن الواجب ثوابه أکمل" سنت کی بنسبت واجب کا ثواب کامل ہے۔ لیکن چند مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جس میں سلام کا مسئلہ بھی ہے۔(۱)

(۲) دعوت قبول کرنے کے سلسلہ میں بعض حضرات کہتے ہیں یہ واجب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے، یہی اصح قول ہے۔ اور اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس میں شرکت کرنا مستحب ہے، کھائے یا نہ کھائے، البتہ کھانا بہتر ہے تاکہ میزبان خوش ہو جائے۔(۲)

الدلیل علی ما قلنا:

فی المسئلة الأولی:

(۱) قالوا إن السلام سنة۔۔۔ وإسماع رده واجب: بحیث لو لم یسمعه لا یسقط هذا الفرض عن السامع۔ (شامی ج: ۶ ص: ۴۱۳)۔ کتاب الحظر والإباحة۔ کراچی۔

وفی التاتارخانیة عن الفقیه أبی جعفر۔ التسلیم تحیة وإجابتها فرض۔ (المصدر السابق ج: ۶ ص: ۴۱۶۔ کتاب الحظر والإباحة زکریا دیوبند)۔

(۳) السلام ابتداء وجوباً: والأول أفضل مع أنه سنة: ومن القواعد: أن الواجب ثوابه أکمل۔ ولعل وجهه أنه مشتمل علی التواضع۔ (مرقاة المفاتیح ج: ۹ ص: ۴۵۔ باب السلام من کتاب الأدب)۔

فی المسئلة الثانية:

(۱) عن أبی هريرة۔ رضی الله عنه۔ أن النبی صلی الله علیه وسلم۔ کان یقول: شر الطعام طعام الولیمة۔ یدعی لها الأغنیاء، ویترک الفقراء: ومن ترک الدعوة عصی الله ورسوله۔

رواه البخاری فی صحیحه۔ ج:۲ ص:۷۷۸۔ فی کتاب النکاح۔ وأیضا رواه مسلم فی صحیحه: ج: ۱ ص:۴۶۳۔ فی باب الأمر باجابة الداعی إلی الدعوة من کتاب النکاح۔

ولأن إجابة الدعوة سنة، سواء کانت ولیمة أو غیرها۔ وبه قال أحمد ومالک ثم غیر الولیمة من الدعوات مستحبة عندنا۔ (بنایة شرح الهدایة للعینی ج: ۱۱ ص: ۹۹۔ کتاب الکراهة۔ دار الفکر بیروت)۔

اختلف فی إجابة الدعوی۔ قال بعضهم۔ واجبة لا یسع ترکها۔ وقال العامة: هی سنة۔ والأفضل أن یجیب إذا کانت ولیمة۔ وإلا فهو مجیز۔ ولأن فیه إدخال السرور فی قلب المؤمن۔ وإذا أجاب فعل ما علیه، أکل أو لا۔ (شامی ج:۶ ص:۳۴۸۔ کتاب الحظر والإباحة۔ کراچی)۔ هکذا فی الهندیة ج:۵ ص:۳۴۳۔ کتاب الکراهیة۔ رشیدیه)۔

تسن عند الحنفیة إجابة الدعوة۔

(الفقه الاسلامی وأدلته۔ ج:۹ ص:۶۶۲۰۔ کتاب النکاح، المبحث الخامس، مندوبات عقد النکاح، دار الفکر المعاصر)۔

پلاسٹک کاٹانگ لگاکر نماز پڑھنا کیسا ہے

سوال: سردیوں کے موسم میں سرد ہواؤں سے بچنے کے لئے مساجد میں پلاسٹک ٹانگتے ہیں، اور وہ ایسی ہوتی ہیں کہ اس پار کا نظارہ مثل شیشے کے نظر آتا ہے، تو کیا یہ سترہ کا کام

دے سکتی ہے۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

پلاسٹک کا جو پردہ لٹکایا جاتا ہے۔ اس سے بھی سترہ کا کام چلے گا اگرچہ گذرنے والے نظر نہ آئے۔ دوسری جانب مثل شیشہ نظر آنا یہ سترہ کے منافی نہیں ہے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) یجزی من السترة قدر مؤخرة الرجل۔ ولو بدقة شعرة۔ (شامی ج: ۱ ص:۶۳۷۔ کراچی)۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص:۳۶۶۔ دار الکتاب۔

حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام ج: ۱ ص:۱۰۵۔

(۲) ویجوز أن یکون (الحائل) ستارة معلقة إذا رکع أو سجد یحرکها رأس المصلی۔ ویزیلها من موضع سجوده، ثم تعود إذا قعد أو قام، وصورته: أن تکون الستارة من ثوب أو نحوه معلقة فی سقف مثلا۔ (شامی ج: ۱ ص:۶۳۶۔ کراچی)۔

(۳) قوله فی غلظ الأصابع خلاف المذهب۔ فلاحد لما روی الحاکم عن أبی هریرة مرفوعاً یجزی السترة قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص:۳۶۶۔ دار الکتاب دیوبند)۔

جنگلی کبوتر کھانا کیسا ہے؟

سوال: مفتی صاب مسئلہ یہ ہے کہ پالتو اور جنگلی کبوتر دونوں کو ذبح کر کے کھانا صحیح ہے یا نہیں؟ یا پھر دونوں میں سے کون سے کبوتر کا کھانا صحیح ہے؟ حضرت مفتی صاحب مسئلہ کی وضاحت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کبوتر کا کھانا جائز ہے وہ اگر پالتو ہو اور اپنی ملکیت میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اگر جنگلی ہو،اور اسے حلال طریقے پر شکار کیا گیا ہو،تو اس کو بھی کھانا جائز ہے۔(۱)

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) وما لامخلب له من الطير فالمستأنس منه كالدجاج۔ والبط۔ والمتوحش كالحمام۔ والفاختة۔ والعصافير۔۔۔ حلال بالإجماع۔ (بدائع الصنائع ج:۴ ص:۱۳۵۔ کتاب الذبائح والصیود، زکریا)۔

من نصب شبكة فتعقل بها صيد ملكه صاحب الشبكة۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۵ ص:۴۱۷۔ کتاب الصيد، الباب الثانی فی بیان مایملک به الصید)۔

الدر المختار مع الشامی ج:۶ ص:۴۶۲۔ کتاب الصید۔ کراچی۔

ولأن من سبق إلى المباح، فهو أحق به۔ (مرقاة الفاتيح ج:۳ ص:۲۵۸۔ باب التنظيف والتكبير من ابواب الجمعة الفصل الثالث۔

المباح يملك بالسبق إليه۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۴ ص:۲۸۳۱۔ المبحث الرابع متى يملك الصائد المصيد۔ دار الفكر المعاصر)۔

المباح يملك بالإحراز۔ (القواعد الفقهية ص:۱۱۸۔ رقم القاعدة ص:۳۰۳۔ دار الکتاب)۔

جمعہ کے روز کس وقت سورہ کہف کی تلاوت افضل ہے

سوال: ایک مسئلہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے،جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھنے کا افضل وقت کونسا ہے؟ اگر کوئی جمعہ کی صبح تہجد کے ساتھ سورہ کہف پڑھ لے تو جمعہ کے دن کہف پڑھنے کی فضیلت ملے گی؟ یا وہ جمعہ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سورہ کہف پڑھے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں سورہ کہف کی جو فضیلت آئی ہے،اس کے متعلق تین روایتیں ملتی ہیں۔

(۱) مطلقا: یعنی جو شخص سورہ کہف کی تلاوت کرے گا۔بروز قیامت اس کے لئے ایک نور ہوگا جس کی درازی اپنے مکان سے مکہ مکرمہ تک ہوگی۔

(۲) اور دوسری ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرے گا۔اس کے لئے اگلے جمعہ تک ایک نور ہوگا۔

(۳) اور تیسری ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات کو سورہ کہف کی تلاوت کرے گا۔اس کے لئے ایک نور ہوگا۔جس کی درازی ہوگی تلاوت کرنے والے کے یہاں سے بیت العتیق (مکہ مکرمہ) تک۔

حضرات محدثین نے مذکورہ روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات غروب آفتاب سے لے کر جمعہ کے دن غروب شمس تک کسی وقت بھی سورہ کہف کی تلاوت کرے۔اسے اس کی فضیلت ملے گی۔بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دن میں پڑھنا بہتر ہے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) عن أبی سعیدن الحذری رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: من قرأ الکھف کما أنزلت کانت له نوراً یوم القیامة من مقامه إلی مکة۔ (الترغیب والترهیب ج:۲ ص:۲۴۵۔ بیروت)۔

وعنه أیضاً أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: من قرأ سورة الکھف فی یوم الکھف أضاء له النور ما بین الجمعتین۔ (رواه البیھقی فی الدعوات الکبیر)۔

(مشکاة المصابیح ج:۱ ص:۱۸۹۔ کتاب فضائل القرآن)۔

روی الدارمی موقوفاً من قوله أی: أبی سعید الخدری من قرأها لیلة الجمعة أضاء

لله النور فيما بينه وبين البيت العتيق۔ (مرقاة المفاتيح ج:۴ ص:۳۷۵۔ قديم)۔

قال الحافظ ابن حجر فى أماليه۔۔۔ أن المراد اليوم بليلته، والليلة بيومها۔ (فيض القدير للمناوى ج:۶ ص:۲۵۸۔ بيروت)۔

(۲) قراءة سورة الكهف يوم الجمعة وليلتها۔۔۔ وقراء تها نهاراً آكد۔ والحكمة من قراءتها أن الساعة تقوم يوم القيامة كما ثبت فى صحيح مسلم۔ والجمعة مشبهة بها لما فيها من اجتماع الخلق۔ وفى الكهف ذكر أهوال القيامة۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج:۲ ص:۱۳۲۵۱۔ دار الفكر المعاصر)۔

قنوت نازلہ کا پس منظر

سوال: بعد سلام مسنون دریافت طلب امر یہ ہے کہ قنوت نازلہ کا پس منظر کیا ہے؟ اور کیا نماز جمعہ کی دوسری رکعت میں یا دیگر فرائض میں پڑھنا جائز ہے؟ نیز بعض ائمہ کرام جمعہ کے خطبہ میں پڑھتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں مسالک اربعہ کو بھی مدلل طور پر جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث کی روایت میں ہے کہ جب رعل و ذکوان قبیلے کے لوگوں نے ستر صحابہ کرام کو شہید کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل ایک مہینہ فجر کی آخری رکعت میں چند کلمات پڑھے۔ جسے قنوت نازلہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جو مسلمانوں کی نجات کی دعا اور کفار کے لئے بد دعاء پر مشتمل ہے، راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم قنوت نازلہ نہیں پڑھتے تھے۔

جمہار فقہاء کے نزدیک مسلمانوں پر جب کوئی عمومی مصیبت نازل ہو تو فجر کی آخری رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے، اور فجر کے علاوہ دوسری کسی نماز میں قنوت نازلہ کا پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک امام اگر چاہے تو تمام فرض نمازوں میں

پڑھ سکتا ہے۔

حضرت حنفیہ کے نزدیک اگرچہ ارکان خطبہ میں دعا شامل نہیں ہے۔ لیکن خطبہ میں چند کلمات دعائیہ کا شامل ہونا مسنون ہے، اور قنوت بھی دعا ہے۔ اس اعتبار سے اگر خطبہ جمعہ میں قنوت نازلہ پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ خطبہ میں لمبی دعائیں نہیں پڑھنی چاہئے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أنس رضى الله عنه قال: بعث النبى صلى الله عليه وسلم۔ سبعين رجلاً لحاجة يقال لهم القراء۔ فعرض من بنى سليم رعل و ذكوان عند بئر يقال لها: بئر معونة فقال القوم: ما إياكم أردنا إنما نحن مجتازون فى حاجة للنبى صلى الله عليه وسلم۔

فقتلوهم۔ فدعا النبى صلى الله عليه وسلم۔ شهراً فى صلاة الغداة۔ وذلك بدء القنوت وما كنا نقنت۔ (الصحيح للبخارى ج:۲ ص:۵۸۶۔ كتاب المغازى)۔

ويشرع القنوت للنازلة أن ينزل بالمسلمين خوف، أو قحط، أو وباء، أو جراد۔ أو نحوها۔ اتباعاً للسنة لأنه صلى الله عليه وسلم۔ قنت شهراً يدعو على قاتلى أصحابه القراء بيئر معونة۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج:۲ ص:۱۰۰۸)۔ دار الفكر المعاصر۔

قال الإمام أبو جعفر الطحاوى رحمه الله۔ إنما لا يقنت عندنا فى الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به۔ (مراقى الفلاح على نور الإيضاح مع حاشية الطحطاوى ص:۳۷۷۔ دار الكتاب)۔

وقال جمهور أهل الحديث: القنوت مشروع عند النوازل فى الصلوات كلها۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۴۴۔ سعيد)۔

وأما القنوت فى الصلوات كلها عند النوازل فلم يقل بها إلا الشافعى۔ (حاشية

الطحطاوی علی المراقی ص:۳۷۷۔ دار الکتاب)۔

ولا قنوت في شيئ من الصلوات إلا الصبح إلا أن تنزل نازلة۔ فيقنت في الصلوات كلهن إن شاء الإمام۔ (كتاب الأم للشافعي ج:۲ ص:۱۱۸۔ بيروت)

وأما غير الصبح من الصلوات الخمس فهل يقنت فيها؟ فيه ثلاثة أقوال للشافعي۔ الأصح المشهور منها أنه نزل بالمسلمين نازلة قنتوا وإلا فلا۔ (كتاب الأذكار للنوري ص:۵۸۔ باب القنوت في الصبح۔ دار الكتاب العربي)۔

(۸) فذهب أبو حنيفة إلى أن ركن الخطبة تحميدة أو تهليلة۔ أو تسبيحة۔ (الموسوعة الفقهية ج:۱۹ ص:۱۷۷)۔

(۹) وسنتها كونها خطبتين۔۔۔ الأولى على تلاوة آية وعلى الوعظ أيضاً۔ والثانية على الدعاء للمؤمنين والمؤمنات عوض الوعظ۔ (حلبی كبيری ص:۵۵۵ لاہور)۔

کسی کے سامنے تعریف کرنا کیسا ہے

سوال: کیا کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا درست ہے؟ اگر درست ہو تو "فاحثوا علیہ التراب" حدیث کا کیا مطلب ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں ہے کہ "إذا رأيتم المداحين فاحثوا في وجوههم التراب"۔

(مسلم شریف ج:۲ ص:۴۱۴)۔

(مشکاۃ المصابیح ج:۲ ص:۴۱۲۔ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)۔

تم اگر کسی کو تعریف کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے چہرے پہ مٹی ڈال دو، یہ حدیث مخصوص مادح اور ممدوح کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔ کہ المداحون هم الذين اتخذوا مدح الناس عادة۔ وجعلوه بضاعة۔ يستأكلون به الممدوح۔

یعنی اس حدیث پاک کا مصداق ایسے تعریف کرنے والے ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کی تعریف کرنے کو اپنا پیشہ بنالیا ہو۔ اور اس کے ذریعہ ممدوح سے مال حاصل کرنے کو اپنا مقصد بنالیا ہو۔

ورنہ تو اگر تعریف میں جھوٹ نہ ہو۔ اور ممدوح کے اس کے ذریعہ دھوکے اور غرور میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

فأما من مدح الرجل على الفعل الحسن والأمر المحمود يكون منه ترغيبا له في أمثاله، وتحريضا للناس على الاقتداء به في أشباهه فليس بمداح۔ (فتح الملهم ج:۱۲ ص:۳۹۲۔ اشرفیہ)۔

چونکہ حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ: إذا مدح المؤمن في وجهه ربا الايمان في قلبه۔ جب مؤمن کے سامنے اس کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کا ایمان بڑھتا ہے۔

مجمع الزوائد ج:۸ ص:۱۲۲۔ کشف الخفاء ج:۱ ص:۹۹۔ دار إحیاء التراث العربی۔

دونوں حدیث کے مابین تطبیق دیتے ہوئے امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ نہی کی حدیث محمول ہے تعریف میں مبالغہ اور حد سے تجاوز اور جھوٹ کے شامل ہونے اور ممدوح میں کبر اور دھوکے کا ڈر ہونے پر۔ ورنہ جس میں اس کا ڈر نہیں ہے، تقوی کے اعلی مراتب اور اپنے آپ کو پہچاننے کی وجہ سے تو ان کے سامنے تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وطريق الجمع بينهما: أن النهي محمول على المجازفة في المدح۔ والزيادة في الأوصاف أو على من يخاف عليه فتنة من إعجاب ونحوه إذا سمع المدح۔ وأما من لا يخاف عليه ذلك لكمال تقواه۔ ورسوخ عقلله ومعرفته۔ فلا نهي في مدحه في وجهه۔ (شرح النووي على هامش الصحيح لمسلم ج:۲ ص:۴۱۴۔ فيصل ديوبند)۔

البتہ ممدوح کو چاہئے کہ وہ اس تعریف کے دھوکے میں نہ پڑے، بلکہ اپنے احوال کے بارے میں فکر رکھے، کیونکہ۔ صاحب البیت أدری بمافیہ۔ (شرح نخبۃ الفکر ص:۵)۔

ہوسکتا ہے کہ مادح اگر ممدوح کے راز و بھید سے واقف ہوتا تو اس کی تعریف سے رکا جاتا۔ تاہم اگر کوئی شخص سامنے تعریف کرنے لگے تو دل میں استغفار پڑھے۔ اور اپنی حقیقت حال کا جائزہ لے۔ اور یہ بھی پڑھے۔ اللّٰہم إن ہؤلاء لا یعرفونی وأنت تعرفنی۔

ایک شخص حضرت علیؓ کے سامنے تعریف کر رہا تھا۔ تو حضرت علیؓ پڑھنے لگے۔

اللهم اغفر لي ما لا يعلمون ولا تؤاخذني بما يقولون واجعلني خيراً مما يظنون۔

كذا في۔ إحياء علوم الدين ج:۳ ص:۱۶۱)۔ دار المعرفة بيروت۔

شب برأت میں قبرستان جانا کیسا ہے؟

سوال: شب برأت میں زیارت کے لئے قبرستان میں جانا کیسا ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

زیارت قبور کا ثبوت شریعت میں ہے۔ اور گاہ بگاہ زیارت قبور کے لئے جانا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ البتہ اس کو کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص کر دینا۔ پھر اسی وقت پر اس کو لازم سمجھنا یہ غلط اور بے اصل ہے۔ جس کا ترک لازم ہے۔ شب برأت میں زیارت قبور کو لازم سمجھنا اور اس کے لئے محلہ کے لوگوں کو بلانا۔ شیرنی تقسیم کرنا یہ سب بدعت شنیعہ ہے۔ جس سے بچنا ضروری ہے۔ ویسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شب میں قبرستان جانا ثابت ہے۔ اس لئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فالآن فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة۔

(سنن ابن ماجه ص:۱۱۲۔ باب زيارة القبور۔ من كتاب الجنائز۔ مشكاة المصابيح ج:۱ ص:۱۵۴۔ باب زيارة القبور)۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ (الصحيح للبخاري ج:۱ ص:۳۷۱۔ باب إذا اصطلحوا على صلح جور۔ فهو رد)۔

الصحيح لمسلم ج:۲ ص:۷۷۔ باب نقض الآحكام الباطلة ورد محدثات الأمور من كتاب الحدود۔

البدعة هي الأمر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون، ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي۔ (القواعد الفقهية ص:۲۰۴۔ دار الكتاب)۔

إن المندوبات تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها۔ا (فتح الباري ج:۲ ص:۳۳۸۔ بيروت)۔

كم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم۔ والتخصيص من غير مخصص مكروها۔ (سباحة الفكر في الجهر بالذكر ص:۲۷)۔

غیر مسلم کا پیسہ سید غریب کو دینا کیسا ہے؟

سوال: غیر مسلم سیکھ کا دیا ہوا پیسہ سید غریب کو دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

غیر مسلم سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (۱) اور ہدیہ وتحفہ بسا اوقات اسی بنا پر دیا جاتا ہے۔ البتہ کسی مصلحت کی بنا پر لیا جا سکتا ہے۔ (۲) بشرطیکہ وہ سود کے مال سے نہ ہو۔ جو سود مسلمان کے لئے حرام ہے۔ وہ غیر مسلم کے لئے بھی حرام ہے۔ ایسا پیسہ سید غریب کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

ملاحظہ: حضرات فقہاء جن سید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صدقہ واجبہ کی رقم ان کو دینا جائز نہیں ہے۔ اس سے مراد۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت جعفرؓ۔ حضرت عقیلؓ۔ حضرت حارث بن عبد المطلب۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۳) کی اولاد ہیں۔ آج تو برادری کے حساب

سے بھی لوگ اپنے نام پرسید لکھتے ہیں۔اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين۔ (سورة آل عمران رقم الآية: ۲۸)۔

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم يقول: تهادوا تحابوا۔ (الأدب المفرد مع شرحه الدر المنضود ج:۳ ص: ۵۳۔ رقم الحديث: ۵۹۴۔ شيخ الهند اكاڈيمى)۔

عن أنس ابن مالك أن يهودية أتت النبى صلى الله عليه وسلم۔ بشاة مسمومة فأكل منها فجيئى بها۔ فقيل إلا نقتلها قال: لا: فمازلت أعرفها فى لهوات رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (الصحيح للبخارى ج: ۱ ص: ۳۵۶۔ باب قبول هدية المشركين)۔

والأولى للمسلمين أن لا يوافقهم على مثل هذه الاحوال لإظهار الفرح والسرور۔ (شامى ج: ۶ ص: ۷۵۵)۔

(۳) وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أى: لبنى هاشم۔ (الدر المختار ج: ۱ ص: ۱۴۱۔ كتاب الزكاة۔ اشرفيه)۔

مستفاد من: لو قال: مالى لأهل ببت النبى صلى الله عليه وسلم۔ وهم يحصون جاز۔ لأن هذه وصية وليست بصدقة ويصرف إلى أولاد فاطمة رضى الله عنها۔ (شامى ج: ۲ ص: ۳۵۱۔ كراچى)۔

وبنو هاشم الذين تحرم عليهم الصدقات: آل العباس۔ وآل على۔ وآل جعفر۔ وآل عقيل۔ وولد الحارث بن عبد المطلب۔ كذا ذكره الكرخى۔ (بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۱۶۲۔ زكريا)۔

مزنیہ کی لڑکی سے شادی کرنا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرلے، پھر وہی شخص اس کی بیٹی سے شادی کرلے،تو یہ شادی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

حضرات حنفیہ کے نزدیک زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔صورت مسئولہ میں جبکہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا۔تو اس پر اس زانیہ کے اصول و فروع حرام ہو جائیں گے۔اور زانی کے لئے زانیہ کی بیٹی سے کرنا حرام ہے۔(۱)

ومن يتعد حدود الله فأولئك هم الظالمون۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ومن زنى امرأة حرمت عليه أمها وابنتها۔ (هدايه ج: ۲ ص: ۳۰۹)۔

وحرم أيضاً بالصوبة أصل مزنيته أراد بالزنى الوطء الحرام۔ وتحته فى الشامية: لأن الزنى وطء مكلف فى فرج مشتهاة۔ (الدر المختار مع الشامى ج: ۳ ص: ۳۲۔ كراچى)۔

أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة على أصول الزانى وفروعه نسباً ورضاعاً۔ وحرمة أصولها وفروعها على الزانى نسباً۔ ورضاعاً كما فى الوطء الحلال۔ (شامى ج: ۳ ص: ۳۲۔ كراچى)۔

هكذا فى بنايه شرح الهدايه للعينى ج: ۴ ص: ۵۲۶۔ دار الفكر۔ (تبيين الحقائق ج: ۲ ص: ۱۰۶۔ إمداديه ملتان)۔

کھیت یا باغ کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا کپڑا لٹکانا کیسا ہے؟

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ کھیت، باغ، یا مکان کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا یا لال کپڑا لٹکانا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نظر بد کی تاثیر حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اس سے بچنے کا بہتر طریقہ وہی ہے جس کا تذکرہ حدیث پاک میں ہے۔ معوذتین یا ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا پابند کیا جائے۔ جیسے اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان ہامۃ ومن کل عین لامۃ۔(۱)

البتہ کبھی کھیت یا باغات میں نقصان دہ حیوانات سے بچنے کی غرض سے لال یا کالا کپڑا لٹکایا جاتا ہے، جس کا رواج آج کل دیہاتوں میں ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن حیۃ ابن حابس التیمی عن أبیہ أنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یقول: لا شیئ فی الھامۃ والعین حق۔ (سنن الترمذی ج:۲ ص:۲۶۔ ابواب الطب)۔

عن أبی سعید۔ رضی اللہ عنہ۔ قال: کان النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یتعوذ من الجان وعین الإنسان حتی نزلت المعوذتان، فلما نزلتا ترک ما سواھما۔ (المصدر السابق ج:۲ ص:۲۶۔ بلال)۔

عن ابن عباس۔ رضی اللہ عنہما۔ قال: کان رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعوذ الحسن والحسین یقول: أعیذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان ھامۃ ومن کل عین لامۃ۔ (المصدر السابق ج:۲ ص:۲۶۔ بلال)۔

مستفاد من ولا بأس یربط الرجل افی إصبعہ أو خاتمہ الخیط للحاجۃ۔ (ھدایہ ج:۴ ص:۴۵۴۔ فیصل)۔

کیا ایک مؤمن کے جھوٹے میں دوسرے مؤمن کے لئے شفاء ہے؟

سوال: کیا ایک مؤمن کے جھوٹے میں دوسرے مؤمن کے لئے شفاء ہے؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کتب حدیث میں ''سور المؤمن شفاء'' اور ''ریق المؤمن شفاء'' ایسی دو روایتیں ملتی ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مؤمن کے جھوٹے میں دوسرے مؤمن کے لئے شفاء ہے۔ اگرچہ ان روایتوں کی سند او متن میں حضرات محدثین کا کلام ہے بعض نے اس کو ضعیف، اور بعض نے اس کو موضع کہا ہے۔ البتہ اس کا معنی صحیح ہے۔ جس کی تائید صحیحین کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کو مجبور کیا جائے جھوٹا پینے پر چونکہ اس میں کبر سے شفاء ہے۔ اس لئے متکبر کبھی کسی کا جھوٹا نہیں پیتا۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کان إذا اشتکی الإنسان الشیئ منہ۔ أو کانت بہ قرحۃ، أو جرح۔ قال النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بإصبعہ۔ ھکذا وضع سفیان۔ سبابتہ بالأرض، ثم رفعھا، بسم اللہ تربۃ أرضنا بریق بعضنا یشفی بہ سقیمنا بإذن ربنا۔ (الصحیح لمسلم ج:۲ ص:۲۲۳۔ کتاب الأداب)۔

حدیث ''ریق الامؤمن شفاء'' معناہ صحیح۔۔۔ؤ ما ما علی الألسنۃ من: أن سورا المؤمن شفاء، (معناہ صحیح) ففی الإفراد للدار قطنی من حدیث نوح بن أبی مریم عن ابن جریج عن عطاء ابن عباس رفعہ: من التواضع أن یشرب الرجل من سور أخیہ۔ (المقاصد الحسانۃ للسخاوی ص:۲۴۱۔ بیروت)۔

و أما ما یدور علی الألسنۃ من قولھم: سور المؤمن شفاء۔ (کشف الخفاء ج:۱

ص: ۴۳۶۔ دار إحياء التراث العربي)۔

حدیث: ريق المؤمن شفاء۔ وكذا "سور المؤمن شفاء: ليس له اصل معروف۔

(المصنوع في معرفة الموضوع: ص: ۱۰۶۔ بيروت)۔

(۵) عن أنس رضي الله عنه قال: من التواضع أن يشرب الرجل من سور أخيه۔

(مرقاة المفاتيح ج: ۵ ص: ۳۶۹۔ قديم)۔

سود کی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں؟

(۱) کیا سود کی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا جائز ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بینک سے لون لیتا ہے مثلاً پانچ لاکھ اور انٹرسٹ سے سات لاکھ ہوگیا تو جو دو لاکھ بڑھا ہے اس کی ادائیگی بینک سے حاصل شدہ سود سے کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سود اور مال حرم کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی طرح اس کو مالک تک پہونچایا جائے۔ اگر اسے مالک تک پہونچانا مشکل ہو تو اس کے تین مصارف ہیں۔(۱) جس پر اسے خرچ کیا جائے گا۔

(۱) غیر واجبی ٹیکس میں اس کو دیا جائے۔

(۲) فقراء مسلمین پر بلا نیت ثواب اس کو تقسیم کیا جائے۔

(۳) رفاہی کاموں میں اس کو صرف کیا جائے۔

صورت مسئولہ میں سود کی رقم سے انکم ٹیکس ادا کر سکتے ہیں۔ لون لینے کے بعد انٹرسٹ کے ذریعہ جس رقم کا اضافہ ہوا ہے۔ سود کے پیسے سے اس کا ادا کرنا درست نہیں ہے۔ چونکہ

ایسی صورت میں سود کی رقم سے اپنے ذاتی نفع کا حصول لازم آئے گا۔ جوکہ ناجائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه۔ (شامي ج:۶ ص: ۳۸۵۔ كتاب الحظر والإباحة۔ كراچي)۔ تبيين الحقائق ج:۶ ص: ۲۷۔ امدادیہ ملتان۔

ويجب عليه أن يرده إن وجد المالك۔ (بذل المجهود ج: ۱ ص: ۳۷۔ مركز الشيخ)۔

(۳) وقد حرم الله تعالىٰ على المسلم أن يأكل الربا۔ والانتفاع بهذه الفوائد في رفع هذه الضرائب صورة من أكل الربا۔ (أحكام المال الحرام ص: ۳۳۲۔ بيروت)۔

شب معراج کو روزہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شب معراج کو خاص کر کے روزہ رکھنا، اور رات بھر جاگنا شریعت کے نقطہ نظر سے کیسا ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شب معراج یعنی جس رات میں حضرت رسول پاک ﷺ کے ساتھ معراج کا واقعہ پیش آیا تھا۔ یقیناً وہ بابرکت اور ایک فضیلت والی رات ہے۔ حضرت مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس سال اور کس مہینہ اور کس دن پیش آیا۔ اکثر حضرات کا قول ہے کہ یہ نبوت کے پانچویں سال ۲۷ رجب میں ہوا ہے۔ لیکن اس کے تعلق سے احادیث مبارکہ میں کوئی خاص عمل ثابت نہیں ہے چند حدیثیں جو ملتی ہیں اس کے تعلق سے، اس کے بارے میں ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "تبیین العجب فیما ورد فی شہر رجب" میں لکھا ہے کہ ان میں سے بعض

ضعیف اور اکثر موضوع ہیں۔ اور آج کل عوام میں جو رائج ہے کہ اس رات میں اتنی رکعت نماز پڑھنی ہے اور فلاں رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھنا ہے۔ یہ غیر معتبر اور بے اصل ہے۔(۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن قاسم بن محمد، عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من احدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔

(الصحيح للبخارى ج: ۱ ص: ۳۷۱۔ كتاب العلم)۔

(الصحيح لمسلم ج: ۲ ص: ۷۷۔ كتاب الأقضية)

وأما الأحاديث الواردة في فضل رجب أو في فضل صيامه، شيئ منها صريحة فهي على قسمين: ضعيفة وموضوعة۔۔۔۔قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من صام يوماً من رجب وصلى فيه أربع ركعات۔ يقرأ في أول كل ركعة مأة مرة آية الكرسى۔ وفي الركعة الثانية: "قل هو الله أحد" مأة مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة۔ أو يرى منه۔ قال المصنف: هذا حديث موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ وأكثر رواته مجاهيل۔ وعثمان متروك عند المحدثين۔ (تبيين العجب فيما ورد في شهر رجب لابن حجر العسقلاني ص: ۳۰ بيروت)۔

قال النووى في الفتاوىٰ: كان في شهر ربيع الأول۔ وقال في شرح مسلم۔ تبعاً للقاضي عياض: إنه في شهر ربيع الآخر۔ وجزم في الروضة بأنه في رجب۔ وقيل في شهر رمضان۔ وقيل: في شوال۔ وكان على ما قيل الليلة السابعة والعشرين من الشهر۔۔۔ فهي أفضل مطلقاً نعم لم يشرع التعبد فيها والتعبد في ليلة القدر مشروع إلى يوم القيامة۔ والله تعالىٰ أعلم۔ (تفسير روح المعاني تحت تفسير آية ج: ۱ من سورة لإسراء)۔

قال الفقيه أبوبكر ولا يجوز أن يزاد على سراج المسجد لأن ذلك إسراف

سواء كان ذلك في رمضان أو غيره ولا يزيّن المسجد بهذه الوصية۔ ومقتضاها منع الكثرة الواقعة في رمضان في مساجد القاهرة ولو شرط الواقف لأن شرطه لا يعتبر في المعصية وفي القنية واسراج السرج اللثيرة في السلك والأسواق ليلة البراءة بدعة وكذا في المساجد۔ (البحر الرائق ج:۵ ص: ۲۳۲) كتاب الوقف۔

وبائی امراض کے لئے اذان دینے کا ثبوت حدیث پاک سے ملتا ہے

سوال: وبائی امراض کے ازالے کے لئے اذان دینے کا ثبوت کیا احادیث سے ملتا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلياً: والله الموفق بالصواب

وباء کے ازالہ کے لئے اذان دینے کا ثبوت نہ حدیث سے ملتا ہے اور نہ ہی آثار صحابہ و تابعین سے۔ اور حضرات فقہاء سے بھی اس کے بارے میں کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ البتہ حضرات اکابرین نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن بعض حضرات اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اور استدلال میں حصن حصین کی۔ إذا تغیلت الغیلا ن۔ اور مسلم شریف کی۔ "إن الشیطان إذا تودی بالصلاۃ ولی ولہ حصاص۔ کو پیش کرتے ہیں۔ چونکہ دوسری ایک روایت میں وباء کو وخزا أعدائکم من الجن۔ کہا گیا ہے۔ لیکن مذکورہ روایتوں کو وباء کے ازالہ کے لئے اذان کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

كما لا يخفى على أهل العلم۔

چنانچہ علامہ شامی نے غیر صلاۃ کے لئے اذان کی بحث میں "تغول الغیلا ن۔ کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ أی عند تمرد الجن۔ یعنی جنات کی سرکش کے وقت جیسے کسی کے سامنے اگر

جنات ظاہر ہو جائیں۔

اس کے علاوہ بھی اگر مذکورہ روایتوں سے وباء کے ازالہ کے لئے اذان دینے کا ثبوت ہو۔تو حضرات صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں بھی بہت مرتبہ وبائی امراض آچکے ہیں۔ لیکن کسی سے بھی اس کے لئے اذان دینا منقول نہیں ہے۔اس لئے حضرات اکابرین نے اسے بدعت میں شمار کیا ہے۔(۱)

حالات حاضرہ میں لوگوں کو ان اعمال پر توجہ دینا چاہئے، جو وباء کے ازالہ کے لئے احادیث میں مروی ہیں۔اور جو اسلاف سے منقول ہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن القاسم بن محمد عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔

(الصحيح للبخاري ج: ۱ ص: ۳۷۱۔ كتاب الصالح)۔

(الصحيح لمسلم ج: ۲ ص: ۷۷۔ كتاب الأقضية)۔

قولها: لا يسن لغيرها۔ أي من الصلوات وإلا فيندب للمولود۔ وفي حاشية البحر الرملي۔ رأيت في كتب الشافعية قد يسن الأذان لغير الصلاة۔ كما في آذان المولود۔ والمهموم، والمصروع۔ والغضبان۔ ومن ساء خلقه من إنسان أو بهيمة وعند مزدحم الجيش وعند الحريق قيل وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر في شرح العباب وعند تغول الغيلان: أي عند تمرد الجن لخبر صحيح فيه۔ (شامي مع الدر المختار ج: ۱ ص: ۳۸۵۔ كراچي)۔

منحة الخالق على البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۶۹۔ باب الآذان۔

قال ابن المنير فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيئ أي من أمور العبادة لكن لما خشي بن مسعود أن

يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته۔ والله أعلم۔ (فتح الباري ج: ۳ ص: ۳۳۸۔ بيروت)۔

هكذا في: فتاوىٰ دار العلوم ديوبند ج: ۲ ص: ۶۷۔

فتاوىٰ رشيديه ص: ۱۵۲۔

اغلاط العوام ص: ۳۴۔

دورنبوت اور صحابہ وتابعین میں کون کون وبائی امراض آئے تھے

سوال: اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ وتابعین کے دور میں کون کون سے وبائی امراض آئے؟

اور اس وقت ان حضرات کا ان وباؤں کے ازالہ کے لئے کیا معمول رہا۔تا کہ ان اعمال کو بھی آج امت اختیار کر کے موجودہ وبا سے اپنے کو بچا سکے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

حضرت رسول پاک ﷺ اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں متعدد مرتبہ وبائی امراض آچکے ہیں۔جن میں سے چند ایسے ہیں جس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں بڑے وبائی امراض کے نام سے ہے۔ابو الحسن المدائنی نے ذکر کیا ہے کہ اسلام میں پانچ وبائی امراض ایسے ہیں جن میں لوگوں کو سب سے زیادہ مالی اور جانی نقصان ہوا۔

(۱) طاعون شیرویۃ۔(۶ھ) یہ طعون دور نبوت میں شہر مدائن میں آیا۔

(۲) طاعون عمواس: (۱۸ھ) یہ طاعون حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آیا۔ جس میں ۲۵ ہزار لوگوں کی موت ہوئی۔

(۳) طاعون الجارف: (۶۹ھ) یہ طاعون حضرت عبداللہ بن زبیر کے دور خلافت میں آیا۔منقول ہے کہ اس وبائی کے دوران تین دن ایسے گذرے جس میں ہر روز ستر ہزار لوگوں کی موت ہوئی۔

(۴) طاعون الأشراف والفتیات: (۸۷ھ) اس طاعون میں بڑے معزز لوگوں اور زیادہ عورتوں کی موت ہوئی۔ اس وجہ سے اس کو طاعون الأشراف والفتیات کہا جاتا ہے۔

(۵) طاعون مسلم بن قتیبۃ (۱۳۱ھ) یہ طاعون کوفہ میں ماہ رجب میں شروع ہوا۔ اور رمضان المبارک میں بہت پھیل گیا۔ جس میں ہر روز ہزار لوگوں کے جنازے اٹھتے تھے۔ شوال مہینہ میں کچھ کمی آئی تھی۔

حضرات صحابہ کرام اور تابعین ہر وقت تعلیمات نبوی کو مقدم رکھا کرتے تھے۔ اور آقا ﷺ کے ارشادات کو اپنا نصب العین بنایا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر پوری طرح ان کا یقین اور بھروسہ تھا۔ کوئی بھی مصیبت آتی تو اپنے گناہوں کو یاد کرکے دربار الٰہی میں گناہوں کی معافی اور مصیبت سے نجات طلب کرتے تھے۔ مایوس کبھی بھی نہیں ہوئے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔ اور اللہ سے تعلق بنائے رکھتے۔

آج مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے

اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ تلاوت، استغفار اور صلاۃ التسبیح۔ صلۃ التوبہ۔ اور صدقہ نکالنے کا اہتمام کریں۔

اپنے آپ کو ادعیہ ماثورہ کا پابند بنائیں۔

صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کریں۔

حکومت اور ماہر اطباء کی جانب سے جو احتیاطی تدابیر بتائی جا رہی ہیں اس پر عمل کریں۔ اللہ پاک ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔

الدلیل علی ماقلنا:

وقال أبو الحسن المداینی: کانت الطواعین المشهورة العظام فی الإسلام خمسة طاعون شیراویة بالمدائن، علی عهد النبی۔ صلی الله علیه وسلم۔ فی سنة ست من الهجرة، ثم طاعون عمواس، فی زمن عمر بن الخطاب۔ رضی الله عنه۔ وکان بالشام۔ مات فیه خمسة وعشرون ألفا۔ ثم طاعون الجارف۔ فی زمن ابن

الزبیر فی شوال سنة تسع وستین، هلک فی ثلاثه أیام۔ فی کل یوم سبعون ألفا۔ مات فیه لأنس بن مالک۔ رضی الله عنه۔ ثلاثة وثمانون ابنا۔ ویقال: ثلاثة وسبعون ابنا۔ ومات لعبد الرحمن بن أبی بکرة أربعون ابنا۔

ثم طاعون الفتیات: فی شوال سنة سبع وثمانین، ثم کان طاعون فی سنة إحدی وثلاثین ومئة، فی رجب، واشتد فی شهر رمضان، فکان ایحصی فی سکة المربد فی کل یوم ألف جنازة أیاماً۔ ثم خف فی شوال، وکان بالکوفة طاعون، وهو الذی مات فیه المغیرة بن شعبة، سنة خمسین هذا ما ذکره المدائنی۔ (قرة عین المحتاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج ج:۲ ص:۲۰۰)۔ دار ابن الجوزی۔

جس مسئلہ حضرات فقہاء کا اختلاف ہے اس میں امت کو کیا کرنا چاہئے؟

سوال: اگر کسی مسئلہ یا فتویٰ میں حضرات فقہاء کی آراء کا اختلاف ہو تو امت کے لئے لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟ امید ہے کہ رہبری فرما کر ممنون ومشکور ہونگے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شریعت مقدسہ میں دور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فروعی مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا اگر آج کل حضرات فقہاء متبحرین کے درمیان مسائل حوادث ونوازل میں آراء کا اختلاف ہو تو قابل حیرت نہیں۔

لیکن عوام کو چاہئے کہ اس قول پر عمل کریں جو ان کے نزدیک احوط وانسب ہو۔ اور جس کے قول پر اطمینان واعتماد ہو۔ لیکن دوسرے کو برا بھلا کہنا یا یہ کہنا کہ حضرات مفتیان کرام کا اختلاف ہے، تو ہم کس پر عمل کریں، یہ غلط ہے۔

واللہ یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إعلم أن العامی الصرف لیس له مذهب و إنما مذهبه فتوی المفتی فی البحر الرائق۔ لو احتجم أو اغتاب فظن أنها یفطره ثم أکل إن لم یستفت فقیها و لا بلغه الخبر فعلیه الکفارة لأنه مجرد جهل و أنه لیس بعذر فی دار الإسلام و إن استفتی فقیها فأفتاه لا کفارة علیه لأن العاصی یجب علیه تقلید العالم إذا کان یعتمد علی فتواه فکان معذوراً فیما صنع و إن کان المفتی مخطئا فیما أفتی و إن لم یستفت و لکنه بلغه الخبر و هو قوله علیه و سلم۔ أفطر الحاجم و المحجوم۔ و قوله علیه الصلاة و السلام۔ الغیبة تفطر الصائم و لم یعرف النسخ و لا تأویله لا کفارة علیه عندهما لأن ظاهر الحدیث و اجب العمل به خلافاً لأبی یوسف لأنه لیس للعامی العمل بالحدیث لعدم علمه بالناسخ و المنسوخ و لو لمس امرأة أو قبلها بشهوة أو اکتحل فظن أن ذلک یفطرا۔ ثم أفطر علیه الکفارة إلا إذا استفتی فقیها فأفتاه بالفطر أو بلغه خبر فیه و لو نوی الصوم قبل الزوال ثم أفطر لما یلزمه الکفارة عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ خلافاً لهما کذا فی المحیط و قد علم من هذا أن مذهب العامی فتوی مفتیه۔ (عقد الجید فی أحکام الاجتهاد و التقلید ص: ۳۰۔ فصل فی العامی)۔

لأن علی العامی الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء فی حقه إلی معرفة الأحادیث و لو عرف تاویله تجب علیه الکفارة لانتفاء الشبهة۔ (تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۳۴۳۔ بیروت)۔

و لهذا قال فی الفتح: الحکم فی حق العامی فتوی مفتیة، و فی النهایة و یشترط أن یکون المفتی ممن یؤخذ منه الفقه و یعتمد علی فتواه فی البلد و حینئذٍ تصیر فتوه شبهة و لا معتبر بغیره۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۱۱۔ کراچی)۔

میت کے کوئی وارث نہ ہونے کی صورت ان کا دوست اس کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ نہ قریب کا اور نہ دور کا، اس کی میراث پر اس کے ایک دوست کا قبضہ ہے۔ کیا مرحوم کا دوست وہ میراث لے سکتا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر میت کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض، یا عصبہ میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام وراثت کے مستحق ہوں گے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہ وارث ہوگا جس کے ساتھ میت کا عقد موالات ہو۔ (عقد موالات: ایک دوسرے سے کہنا کہ اگر میں کوئی جنایت کا مرتکب ہوگیا تو اس کا جرمانہ تم کو ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر میں مرجاؤں تو تم میرے مال کے وارث بنوگے)۔

اور اس نے قبول بھی کیا ہو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو میت کا مال اس کو ملے گا جس کے لئے اس نے نسب کا دعویٰ کیا ہو۔ اور اس سے ثابت نہ ہوا ہو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کو ملے گا جس کے لئے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کی ہو، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کا سارا مال بیت لمال میں جمع کردیا جائے گا۔ محض دوستی کی وجہ سے وراثت کا استحقاق نہیں ہوتا ہے۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه و سلم۔ ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقی فهو لأولی رجل ذکر۔ الصحیح لمسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۵۔

فیبدأ بأصحاب الفرائض ثم بالعصبات النسبیة ثم بالمعتق ثم عصبته۔ ثم الرد۔ ثم ذوی الأرهام ثم مولا الموالاة، ثم المقر له بنسب لم یثبت ثم الموصی له بأکثر من الثلث، ثم بیت المال۔ (ملتقی الأبحر ج: ۴ ص: ۴۹۷۔ فقیه الأمة دیوبند)۔

(السراجی فی المیراث ص:۵۔دار الکتاب دیوبند)۔

والثالث مولی الموالاۃ وھو أن یسلم کافر ویوالی رجلا من المسلمین فیقول عاھدتک وعاقدتک علی إنی إن جنیت جنایة فعلیک ارشھا وان مت ملک میراثی فإذا مات وترک میراثاً ولم یترک وارثا۔ (النتف فی الفتاویٰ للسغدی ج:۲ ص:۸۴۱۔بیروت)۔

بیڑی،سگریٹ،زردہ کھانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسائلہ ذیل کے بارے میں۔

(۱) کرانہ کی دوکان میں تمباکو، گھوٹکہ، سگریٹ، بیڑی، زردہ وغیرہ کا بیچنا یا صرف ان چیزوں کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟

(۲) سیندی یا تاڑی (جو کھجوڑ اور تاڑ کے جھاڑ سے نکالا جاتا ہے) پینا کیسا ہے نیز تاڑ کے پھل کا (جس کو خاجا کہا جاتا ہے) کھانا کیسا ہے؟ امید ہے کہ جواب سے نواز کر عنداللہ مشور ہوں گے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

(۱) تمباکو، گھوٹکہ، سگریٹ، بیڑی، زردہ ان چیزوں کو جن اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے وہ فی نفسہ حلال ہیں۔لہٰذا اس کا کاروبار کرنا جائز ہے البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے چونکہ اس میں ضرر ہے۔لیکن اگر کسی ملک میں ان چیزوں پر قانوناً پابندی ہو تو اس کا ماننا ضروری ہے۔لا یحل للمؤمن أن یذل نفسہ۔

(۲) سیندی یا تاڑی جس چیز سے بنائی جاتی ہے۔وہ حلال ہے۔لہٰذا اس کا پینا درست ہے۔بشرطیکہ اس میں نشہ نہ ہو۔اور جس برتن میں ہو وہ پاک ہو۔اگر برتن دھو کر رات میں لگایا جائے اور صبح اتار کر پی لیا جائے تو چونکہ اس ایمں نشہ نہیں ہوتا ہے۔اس لئے اس کا پینا درست اہے۔لیکن تاہم اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔”من رتع حول الحمی یوشک أن یقع فیہ“۔اور جب

تاڑی میں نشہ پیدا ہو جائے تو مسکر ہونے کی وجہ سے وہ حرام ہے۔البتہ تاڑ کے پھل کا کھانا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

فی المسائلة الأولیٰ:۔

(۱) قید بالخمر لأن بیع ما سواھا من الأشربة المحرمة کالسکر ونقیع الزبیب والمنصف جائز عندہ۔(البحر الرائق ج:۳ص:۷۷)دار الکتاب الاسلامی۔

شامی مع الدر: ج:۵ ص:۵۵۔کراچی۔

النہر الفائق ج:۳ص:۴۱۷۔زکریا دیوبند۔

تحفة الفقھاء ج:۳ص:۳۳۸۔بیروت۔

الفتاویٰ الھندیة ج:۳ص:۱۱۶۔رشیدیه۔

فی المسائلة الثانیه:

(۱) فیفھم منه حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبّه۔ وقد کرھه شیخنا العمادی فی ھدیته۔ وتحته فی الشامیة: وھو الإباحة علی المختار أو التوقف، وفیه اشارة إلی عدم سلیم إسکارہ وتفتیرہ وإضرارہ وإلا لم یصح إدخاله تحت القاعدة المذکورة ولذا أمر بالتنبه۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۶ ص:۴۶۰)۔کراچی)۔

(۲) أما النبات المأکول: فکله حلال إلا النجس والضار والمسکر أما النجس أو ما خالطته نجاسة (المتنجس) فلا یؤکل۔ لقوله تعالیٰ۔ (ویحرم علیھم الخبائث)۔(الفقه الاسلامی وأدلته ج:۴ص:۲۹۲)۔دار الفکر المعاصر۔

(۳) قوله ومن أکل ما یتأذی به۔أی برائحته کثوم وبصل۔ویؤخذ منه أنه لو تأذی من رائحة الدخان المشهور له منعھا من شربه۔(شامی مع الدرج:۳ص:۲۰۸۔کراچی)۔

منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج:۳ ص: ۱۱۱۔ دار الکتاب الاسلامی۔

شب برأت کی فضیلت اوراس رات کوا کے اعمال

سوال: شب برأت کی فضیلت کیا ہے؟ (۲) اس رات کونسے اعمال کرنا چاہائے؟ (۳) کیا پندرہ شعبان کا روزہ سنت ہے؟ امید ہے کہ جواب سے نوازینگے مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

(۱) شب برات ایک مبارک رات ہے، جس کی فضیلت احادیث مبارکہ اسے ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعلیٰ اس مبارک رات میں اپنے بے حساب بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں، اور یہ ان پانچ راتوں میں سے ایک ہے جس میں بندے کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ حضرات صحابہ اور تابعین، اکابرین واسلاف اس کی بہت قدر کرتے تھے۔ (۱)

(۲) اس رات میں زیادہ سے زیادہ صلاۃ التوبہ، تلاوت، ذکر، استغفار، اور دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور عشاء وفجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہائے۔ اور تمام گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ التزام کرنا چاہئے۔

(۳) اس مہینہ میں روزہ رکھنا ویسے بھی کثرت ثواب کا باعث ہے۔ چونکہ اس رات کی بہت فضیلت ہے، لہٰذا پندرہ شعبان کو روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ انہیں ہے۔ حضرات اکابرین نے بھی اس کا اہتمام کیا ہے، لیکن ''قوموا لیلہا واصوموا نہارہا'' کے تحت زیادہ سے زیادہ اسے مستحب کہا جاسکتا ہے۔ واجب وسنت نہیں۔

جن چیزوں سے پرہیز کرنا چاھئے۔

اس رات میں متعین کوئی نماز نہیں ہاے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس رات میں اتنی رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔ اور فلاں رکعت میں فلاں سورت پڑھنا چاہائے۔ یہ بے اصل اور غلط ہے۔ مخصوص طریقہ سے نوافل پڑھنا نعت خوانی کرنا حلوہ پکانے کو ضروری سمجھنا، قبرستان میں چرغ جلانا۔ گھروں میں روحوں کے آنے کا عقیدہ رکھنا۔ گھروں کو چراغاں کرنا، گھروں اور مساجد کو

سجانا۔ اس رات میں آتش بازی کرنا۔ یہ سب امور شریعت وسنت کے خلاف ہیں۔ حسب استطاعت نماز، تلاوت، ذکر، استغفار، دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ان اعمال کے لئے اجتماع کرنے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ (کما فی تبیین العجب فیما ورد فی شہر رجب لابن حجر العسقلانی)۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ إذا كانت ليلة النصف من شعبان يغفر الله من الذنوب أكثر من عدد شعر غنم كلب۔

عن القاسم بن محمد بن أبي بكر، عن أبيه أو عن عمه، عن جده: عن النبي صلى الله عليه وسلم۔ ينزل إلى السماء الدنيا ليلة النّصف من شعبان فيغفر لكل شيئ إلا رجل مشرك أو في قلبه شحناء۔ (شعب الإيمان البيهقي، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان، رقم الحديث: ۳۵۴۱۔۳۵۴۶)۔

عن عروة، عن عائشة قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فخرجت، فإذا هو بالبقيع، فقال۔ (أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله۔) فقلت: يا رسول الله، إن ظننت أنك أتيت بعض نسائك۔ فقال: إن الله عز وجل ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا۔ فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب۔ (سنن الترمذي۔ باب جاء في ليلة النصف من شعبان رقم الحديث: ۷۳۹)۔

وخمس ليالي لا يرد فيهن الدعاء ليلة الجمعة وأول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلتا العيدين۔ (حاشية الطحطاوي على المراقي)۔

وإحياء ليلة العيدين، والنصف من شعبان، والعشر الأخير من رمضان۔ والأول من ذي الحجة۔ ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثره۔ (الدر المختار مع الشاميا ج: ۲ ص: ۲۵)۔ كراچی۔

(۲) (تتمة) أشار بقوله فرادى إلى ما ذكره بعد في متنه من قوله ويكره الاجتماع

علی إحیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد۔ وتممه فی شرحه وصرّح بکراهة ذلک فی الحاوی القدسی قال: وما روی من الصلوات فی هذه الأوقات یصلی فرادی غیر التراویح۔ (شامی ج:۲ ص:۲۶)۔ کراچی۔

ایثار فی القرب کا ایک مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع میں مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مؤذن اذان دے کر انفراداً مسجد ہی میں نماز پڑھ کر چلا جائے پھر جماعت شروع ہو۔ جیسا کہ حالات حاضرہ میں مسجد میں صرف پانچ لوگوں کو ہی باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور مؤذن کا مقصد یہ ہے کہ اگر میں اذان دے کر فوراً نماز پڑھ لوں تو میرے علاوہ پانچ لوگ پڑھ سکتے ہیں۔ تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں مؤذن کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، چونکہ اسے باجماعت نماز پڑھنے کا موقع ملا ہے اور اس نے اس موقع کو چھوڑ کر انفراداً نماز پڑھ لی تاکہ دوسرا شخص باجماعت نماز ادا کر سکے۔ اس صورت میں ایثار کا تو ثواب ملاے گا۔ لیکن جماعت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

حضرات محققین لکھتے ہیں کہ ایثار بالقرب مکروہ ہے، ہاں اگر ایثار میں صورت ایسی ہو کہ جس عبادت سے منتقل ہو رہا ہے اس سے جس کی طرف منتقل ہو وہ افضل ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أخبرنا قتیبة، عن مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: صلاة الجماعة تفضل علی صلاة الفذ بسبع وعشرین درجة۔ (سنن النسائی، باب فضل الجماعة، رقم الحدیث: ۸۳۸)۔

إنه مشکل علی ما اشتهر من أنه لا إیثار بالقرب، وإنما الإیثار المحمود ما کان من حظوظ النفس دون الطاعات وقد اقتصر القاضی فی النقل عن العلماء علی کراهة الإیثار بالقرب بخلاف ما یتوهمه کثیر من الناس أنه یحرم الإیثار بالقرب۔ (عمدة القاری مع شرح صحیح البخاری ج:۲۱ ص:۱۹۶) دار إحیاء التراث العربی۔

وعبارة إمام الحرمین فی هذا لا یجوز التبرع فی العبادات۔ ویجوز فی غیرها۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج:۱۰ ص:۸۷۔ بیروت)۔

أقول: وینبغی تقیید المسألة بما إذا عارض تلک القربة ما هو أفضل منها۔ کاحترام أهل العلم والأشیاخ۔ کما أفاده الفرع السابق والحدیث فإنهما یدلان علی أنه أفضل من القیام فی الصف الأول ومن إعطاء الإناء لمن له الحق وهو من علی الیمین۔ فیکون الإیثار بالقربة انتقالاً من قربة إلی ما هو أفضل منها وهو الاحترام المذکور۔ أمّا لو أثره علی مکانه فی الصف مثلاً من لیس کذلک یکون أعرض عن القربة بلا داعٍ وهو خلاف المطلوب شرعاً۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۱ ص:۵۶۹۔ کراچی)۔

مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پہ بھی جماعت ثانیہ مکروہ ہے

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ ایک ہی جگہ پہ دوبارہ جماعت کرنا درست ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مسجد میں تکرار جماعت کی ممانعت اس لئے ہے چونکہ اس میں تقلیل جماعت کا خوف اور لوگوں میں جماعت کی رغبت کم ہونے کا اندیشہ ہے۔ بخلاف مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں کے یہاں یہ اندیشہ نہیں ہے۔ تاہم اگر دوسری کسی جگہ جماعت کرنی ہو تو کوشش کریں کہ

ایک جماعت ہو جائے۔ چونکہ جماعت جتنی بڑی ہوگی اس کی فضیلت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔اور اگر جگہ کی تنگی ہو یا دوسرا کوئی عذر ہو تو الگ الگ جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة إلا فى مسجد على طريق فلا بأس بذلك. جوهرة وتحته فى الشاية. ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة. لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. (الدر المختار مع الشامي ج: ۱ ص: ۳۹۵. كراچى).

وفى تكرار الجماعة فى مسجد واحد تقليلها. لأنهم إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون للحضور فتكثر الجماعة. (منحة الخالق على البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۷۳.دار الكتاب الاسلامى).

وبينما إذا اصلى فيه قوم ليسوا من أهله حيث كان لأهله أن يصلوا فيه بجماعة بأذان وإقامة. لأن تكرار الجماعة هنا لا يؤدى إلى تقليل الجماعة. (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى ج: ۱ ص: ۳۷۱).بيروت.

أنا أمرنا بتكثير الجماعة وفى تكرار الجماعة فى مسجد واحد تقليلها لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور فتكثر الجماعة وإذا علموا أنه لا تفوتهم يؤخرون فيودى إلى تقليل الجماعات وبهذا فارق المسجد الذى على قارعة الطريق. (المبسوط للسرخسى ج: ۱ ص: ۱۷۳.بيروت).

نماز تراویح میں ختم قرآن کا کیا حکم ہے؟

سوال: موجودہ حالات میں جبکہ کرونا وائرس کی وجہ سے مسجد میں پانچ سے زیادہ لوگوں کو نماز کی اجازت نہیں ہے تو کیا تراویح میں مسجد میں اس حال میں بھی ختم قرآن ضروری ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

رمضان المبارک کے مہینہ میں تراویح کی نماز پڑھنا ایک مستقل سنت ہے۔ جیسے جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا سنت علی الکفایہ ہے۔(۱) اور نماز تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ ختم قرآن کرنا (۲) بھی ایک مستقل سنت ہے اور حالات حاضرہ میں حکومت کی جانب سے پابندی لگی ہوئی ہے کہ پانچ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ تو ان پانچ لوگوں میں ایک حافظ کا بھی انتظام کرلیں تا کہ ختم قرآن کی سنت پر عمل ہو جائے۔ اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو۔ تو الم تر سے تراویح پڑھ سکتے ہیں۔ اور باقی اپنے گھر یا چھت پر یا میدان میں چند افراد مل کر ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی کوشش کریں۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو الم تر سے پڑھ لیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) حدثنا وكيع، عن على، عن نضر بن شيبان، قال: سألت أبا سلمة بن عبد الرحمن، فذكر عن أبيه قال: حدثنا ابوبكر قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم. إن الله افترض عليكم صيامه وسننت لكم قيامه. فمن صامه إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه.

مصنف ابن أبى شيبة: باب من يرى القيام فى رمضان. رقم الحديث: ۷۷۰۵.

سنن النسائى: باب ذكر اختلاف يحيى بن أبى كثير والضر بن شيبان فيه. رقم الحديث: ۲۲۱۰.

سنن ابن ماجه. باب ماجاء فى قيام شهر رمضان. رقم الحديث: ۱۳۲۸.

قال رحمه الله. (وسُن فى رمضان عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء قبل الوتر وبعده. بجماعة واختم مرة وبجلسة بعد كل أربع بقدرها). أى بعد كل أربع ركعات بقدر الأربعة، الكلام فى التراويح فى مواضع الأول فى صفتها وهى سنة عندنا، رواه الحسن عن أبى حنيفة نصاً وقيل مستحب والأول أصح لأنها

واظب علیها الخلفاء الراشدون۔ (تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۱۷۸)۔ بیروت۔

(۲) والختم مرة سنة ومرتین فضیلة وثلاثاً أفضل (ولا یترک) الختم۔ (لکسل القوم)۔

الدر المخار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۶۔ کراچی۔

ہدایة ج: ۱ ص: ۱۵۱۔ دار الکتاب دیوبند۔

المحیط البرہانی ج: ۱ ص: ۴۵۹۔ بیروت۔

الجوہرة النیرة ج: ۱ ص: ۹۸۔ المطبعة الخیریة۔

کتاب الفرائض

میراث کا ایک مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام محمد یعقوب کے دو لڑکے ہیں۔ مشتاق اور اشفاق، یعقوب کے انتقال کے بعد ان کے دادا دونوں پوتوں کو کچھ زمین رجسٹری کر دیتے ہیں، تو ایک پوتا یعنی اشفاق کا اپنے دادا حیات میں ہی انتقال ہوگیا۔ ان کی جائداد میں کن لوگوں کو حصہ ملے گا۔

وارثین: ایک بھائی، ماں، دادا

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جناب مرحوم اشفاق صاحب کے مال سے ماں کو پورے مال سے تیسواں حصہ ملے گا۔ ۱/۳ اور باقی دو حصہ ان کے دادا کو ملے گا۔ اور بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

مسئلہ

بھائی	ماں	دادا
محروم	ثلث الکل	عصبہ

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فإن لم یکن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث۔ (سورہ النساء رقم الآیة ص: ۱۱)

(۲) وثلث الکل عند عدم هؤلاء المذکورین۔ (السراجی فی المیراث ص: ۱۸)۔

(۳) یرجحون بقرب الدرجة أعنی أولهم بالمیراث جزء المیت أی البنون۔۔۔ ثم أصله أی الأب ثم الجد۔۔۔ ثم جزء أبیه أی الإخوة۔ (السراجی فی المیراث ص: ۲۲)۔

فرائض کا ایک مسئلہ

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے اس کا ایک والدہ ایک بیوی چار لڑکیا تین بہنیں اور چار بھائی ہے

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مسئلہ

ماں	بیوی	لڑکی ۳	بہن ۳	بھائی ۴
سدس	ثمن	ثلثان	عصبہ	
۴	۳	۱۶	۱	
۴۴	۳۳	۱۷۶	۱۱	

صورت مسئولہ میں مرحوم کے اموال ۲۶۴۔ سے تقسیم کی جائے گی۔

ماں کو ۴۴ ملے گے۔

بیوی کو ۳۳ ملے گے۔

۳ لڑکیوں کو ۱۷۶ ملے گے۔

۳ بہن کو ۳ ملے گے۔

۴ بھائی کو ۸ ملے گے۔

۲۶۴۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا

مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

کی تصنیفات وعلمی خدمات ایک نظر میں

- حبیب الفتاویٰ اول
- حبیب الفتاویٰ دوم
- حبیب الفتاویٰ سوم
- حبیب الفتاویٰ چہارم
- حبیب الفتاویٰ پنجم
- حبیب الفتاویٰ ششم
- حبیب الفتاویٰ ہفتم
- حبیب الفتاویٰ ہشتم
- تحقیقات فقہیہ جلد اول
- رسائل حبیب جلد اول
- رسائل حبیب جلد دوم
- صدائے بلبل (اشرف التقاریر) جلد اول
- احب الکلام فی مسئلۃ السلام
- مبادیات حدیث
- نیل الفرقدین فی المصافحہ بالیدین
- التوسل بسید الرسل
- المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ
- احکام یوم الشک
- جذب القلوب
- تحفۃ السالکین
- نوٹ کی شرعی حیثیت
- والدین کا پیغام زوجین کے نام
- تصوف وصوفیاء اور ان کا نظام تعلیم وتربیت
- حضرات صوفیاء اور ان کا نظام باطن
- حبیب العلوم شرح سلم العلوم
- حضرت حبیب الامت کی علمی، دینی خدمات کی ایک جھلک
- قدوۃ السالکین
- درود وسلام کا مقبول وظیفہ
- التوضیح الضروری شرح القدوری
- خطبات حبیب
- مقالات حبیب
- برکات قرآن
- علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت
- مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں
- جمع الفوائد شرح شرح عقائد
- جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلا دیا

کتابی دنیا میں ایک اور عظیم الشان اضافہ

”ایک نئی دُنیا کی تلاش“